﴿بسم الله الرحمٰن الرحیم   نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم   وعلیٰ عبدہ المسیح الموعودؑ﴾

انصارالدین

جلد۳ نمبر۲

مارچ تا اپریل ۲۰۰۶ء

انصاراللہ کا عہد

اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ

مَیں اقرار کرتا ہوں کہ اسلام اور احمدیت کی مضبوطی اور اشاعت اور نظام خلافت کی حفاظت کے لئے انشاءاللہ تعالیٰ آخر دم تک جدوجہد کرتا رہوں گا اور اس کے لئے بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہوں گا۔ نیز مَیں اپنی اولاد کو بھی ہمیشہ خلافت سے وابستہ رہنے کی تلقین کرتا رہوں گا۔

(انشاءاللہ تعالیٰ)

فہرست مضامین

= اداریہ ۲

= درس القرآن ۳

= حدیث النبی ﷺ ۴

= کلام الامام ۵

= حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ۶

= چودھویں صدی میں مسیح موعود اور امام مہدی کا ظہور ۷

= سیرت صحابہ سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام ۱۰

= دور جدید میں تحصیل علم اور ایک احمدی کا فرض ۱۵

= حضرت ڈاکٹر سید عبدالستار شاہ صاحب رضی اللہ عنہ ۱۹

= انصار ڈائجسٹ ۲۳

مدیر اعلیٰ

ڈاکٹر شمیم احمد

مدیر (اردو)

محمود احمد ملک

نائبین

عبدالمجید عامر

حسن خان

مدیر (انگریزی): احد بھنو

مینیجر: محمد اسحٰق ناصر

اداریہ:

کچھ عرصہ قبل ڈنمارک کے ایک اخبار کی دلآزار اور خبیثانہ حرکت کے نتیجہ میں عالمِ اسلام میں شدید بے چینی کی لہر دوڑ گئی اور مختلف مقامات پر شدید ردِّعمل ظاہر ہوا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر مسلمان اپنے آقا و مولیٰ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے محبت رکھتا ہے اور یہ محبت اس کے ایمان کا لازمی جزو ہے۔ مگر جو ردِّعمل عمومی طور پر دیکھا گیا ہے وہ بھی افسوسناک ہے۔ دنیا بھر کے میڈیا میں دکھایا گیا ہے کہ مسلمان علماء اور ان کے لیڈر عوام کو قتل و غارت پر اکسا رہے ہیں اور اپنے ہی ملکوں میں تخریب کاری کی تلقین کرتے ہوئے گھروں اور عمارتوں کو نذرِ آتش کر رہے ہیں اور اپنے ہی ملک میں بدامنی کی ایک ایسی فضا پیدا کر رہے ہیں جس کا کوئی جواز نہیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ مسلمان علماء اُسی امن و سلامتی کے شہزادہ کا نام لے کر جو دنیا سے ظلم مٹانے آیا تھا، ظلم و تشدد کی تحریک کرتے نظر آتے ہیں۔ کیا قتل و غارت کی آوازیں بلند کرنے سے یا چند ملکوں کے جھنڈوں کو آگ لگانے سے یا چند عمارات کو نذرِ آتش کرنے سے محمد رسول اللہ ﷺ کی عزت و ناموس محفوظ ہو جائے گی؟ کیا محمد رسول اللہ ﷺ کی ہتکِ عزت کی قیمت صرف چند انسانوں کا قتل ہے؟..... محمد رسول اللہ ﷺ تو دنیا کو نئی زندگی عطا کرنے کے لئے آئے تھے نہ کہ مارنے کے لئے۔ ہمارا آقا تو زمین کو آباد کرنے کے لئے مبعوث کیا گیا تھا نہ کہ ویران کرنے کے لئے۔ وہ تو آسمانی پانی سے دلوں کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے آیا تھا نہ غیض و غضب کو بھڑکانے کے لئے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر مسلمانوں کا کیا ردِّعمل ہونا چاہئے۔ مسلمانوں کا وہی ردِّعمل ہونا چاہئے جو خود ہمارے آقا و مولیٰ ﷺ اور آپؐ کے جانثار غلاموں کا تھا۔ یہ ظلم جو آج ہو رہا ہے اس کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ ہمارے مظلوم آقا پر ہر دَور میں ظلم روا رکھا گیا ہے جس کے اظہار پر ہر مسلمان کا دل بے ساختہ دکھا۔ آپؐ کی حیاتِ مبارکہ میں بھی جب کبھی ایسا واقعہ پیش آیا تو آپؐ کے جانثار صحابہ کا دل چاہتا تھا کہ ایسے لوگوں کی گردنیں اڑا دیں مگر رَحْمَةٌ لِّلعٰلَمِینؐ نے انہیں ہمیشہ صبر کی تلقین فرمائی اور آپؐ کے غلاموں نے آپؐ کے ارشاد پر عمل پیرا ہو کر دنیا کو ایک ایسا نمونہ دکھایا جس کی نظیر نہیں ملتی۔

آخرین کا دَور آیا تو آنحضرت ﷺ کے عاشقِ صادق اور روحانی فرزند حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی ایسے دلسوز واقعات پر اس قدر دکھ محسوس کیا کہ جس کا اظہار کرتے ہوئے ایک موقع پر آپؑ نے فرمایا:

''اگر یہ لوگ ہمارے بچوں کو ہماری آنکھوں کے سامنے قتل کرتے اور ہمارے دلی اور جانی عزیزوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتے اور ہمیں بڑی ذلت سے جان سے مارتے اور ہمارے تمام اموال پر قبضہ کر لیتے تو واللہ ثم واللہ ہمیں رنج نہ ہوتا اور اس قدر کبھی دل نہ دکھتا جو ان گالیوں اور اس توہین سے جو ہمارے رسول کریم ﷺ سے کی گئی، دُکھا''۔ (آئینہ کمالاتِ اسلام)

اسی طرح آپؑ فرماتے ہیں:

''میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اگر ہم جنگل کے سانپوں اور بیابانوں کے درندوں سے صلح کر لیں تو یہ ممکن ہے مگر ہم ایسے لوگوں سے صلح نہیں کر سکتے جو خدا کے پاک نبیوں کی شان میں بدگوئی سے باز نہیں آتے۔'' (چشمہ معرفت صفحہ 14)

پس ہمارا ردِّعمل وہی ہونا چاہئے جو صحابہؓ کا تھا کہ وہ اسلام کی سربلندی کے لئے دنیا کے گوشے گوشے میں تبلیغ کرنے کے لئے پھیل گئے اور چند ہی سالوں میں اپنے کردار کی عظمت سے دنیا کے ایک بڑے حصّہ کو محمد رسول اللہ ﷺ کے در کے غلام بنا گئے۔ اس دور میں پھر خدا تعالیٰ کی غیرت اپنے رسول کی عزت و ناموس کے لئے جوش میں ہے اس نے اپنے ایک فرستادہ کو محمد رسول اللہ ﷺ کے نام کی سربلندی کے لئے مبعوث کیا ہے۔ جس نے اپنی تمام زندگی محمد رسول اللہ ﷺ کے نام کی سربلندی کے لئے گذار دی اور اپنی ہر حرکت اور سکون اور ہر تحریر اور تقریر سے دنیا پر محمد رسول اللہ ﷺ کا حسن ظاہر کرنے کی کوشش کی تا کہ ان کے دلوں میں اس کامل رسول ﷺ کی محبت جاگزیں ہو اور ساری دنیا اس کے در کی غلامی میں فخر محسوس کرے۔ جب تک ایسا نہیں ہوتا کوئی نہ کوئی بدبخت ناموسِ رسولؐ پر حملہ آور ہوتا رہے گا۔

آج اس واقعہ کے بعد مسلمانوں کو خاموش نہیں ہو جانا چاہئے۔ اگر مسلمانوں میں اپنے آقا و مولیٰ کے نام کے لئے سچی غیرت ہے تو ان کے لئے ایک ہی راہ ہے کہ اس زمانہ کے امام حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو شناخت کر کے اس کی جماعت میں شامل ہو کر تبلیغِ اسلام کے لئے اٹھ کھڑے ہوں۔ جماعتِ احمدیہ ایک واجب الاطاعت امام کی اتباع میں منظم طور پر تبلیغ کے جہاد میں مصروف ہے آؤ اور اس میں شامل ہو جاؤ۔

خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اسلام کی سربلندی اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی عظمت کے قیام کے لئے خوش خبریاں عطا فرمائی ہیں کہ بالآخر دنیا میں وہی ایک رسول ہوگا جسے دنیا عزت سے یاد کرے گی اور جس کی محبت ہمیشہ دلوں میں موجزن رہے گی۔ آپؑ فرماتے ہیں:

''اب میں دیکھتا ہوں کہ وہ وقت پہنچ گیا ہے کہ یہ پاک رسولؐ شناخت کیا جائے۔ چاہو تو میری بات لکھ لو کہ اب مردہ پرستی روز بروز کم ہوگی یہاں تک کہ نابود ہو جائے گی۔ کیا انسان خدا کا مقابلہ کرے گا؟ کیا ناچیز قطرہ خدا کے ارادوں کو ردّ کر دے گا؟ کیا فانی آدم زاد کے منصوبے الٰہی حکموں کو ذلیل کر دیں گے؟ اے سننے والو سنو! اور اے سوچنے والو! سوچو اور یاد رکھو کہ حق ظاہر ہوگا اور وہ جو سچا نور ہے چمکے گا۔'' (تبلیغ رسالت جلد ششم صفحہ 9)

مزید فرماتے ہیں: ''دنیا میں ایک ہی مذہب ہوگا اور ایک ہی پیشوا۔ میں تو ایک تخم ریزی کرنے آیا ہوں سو میرے ہاتھ سے وہ تخم بویا گیا۔ اب وہ بڑھے گا اور پھولے گا اور کوئی نہیں جو اس کو روک سکے''۔ (تذکرۃ الشہادتین صفحہ 65)

درس القرآن

﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اِذَاالشَّمْسُ كُوِّرَتْ ○ وَاِذَاالنُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ○ وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ○ وَاِذَاالْعِشَارُ عُطِّلَتْ ○ وَاِذَاالْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ○ وَاِذَاالْبِحَارُ سُجِّرَتْ ○ وَاِذَاالنُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ○ وَ اِذَاالْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ ○ بِاَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ○ وَاِذَاالصُّحُفُ نُشِرَتْ ○ وَاِذَاالسَّمَآءُ كُشِطَتْ ○﴾ (التکویر: 1تا12)

ترجمہ: میں اللہ کا نام لے کر شروع کرتا ہوں جو بے حد کرم کرنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے (پڑھتا ہوں)۔ جب (نور) آفتاب کو لپیٹ دیا جائے گا۔ اور جب ستارے دھندلے ہو جائیں گے۔ اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے۔ اور جب دس مہینے کی گابھن اونٹنیاں آوارہ چھوڑ دی جائیں گی۔ اور جب وحشی اکٹھے کئے جائیں گے۔ اور جب دریاؤں (کے پانیوں) کو نکال کر دوسرے دریاؤں یا نہروں میں ملا دیا جائے گا۔ اور جب (مختلف) وجود جمع کئے جائیں گے۔ اور جب زندہ گاڑی جانے والی (لڑکی) کے بارہ میں سوال کیا جائے گا۔ کہ آخر کس گناہ کے بدلہ میں اس کو قتل کیا گیا۔ اور جب کتابیں پھیلا دی جائیں گی۔ اور جب آسمان کی کھال اتاری جائے گی۔

قرآن مجید اور احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مندرجہ بالا آیات میں مسیح موعودؑ کے بعثت کے زمانہ کے حالات بیان فرمائے گئے ہیں اور یہ حالات اس قدر تفصیل سے بیان فرمائے گئے ہیں کہ اگر انسان ذرہ بھی غور کرے تو اسے صداقتِ مسیح موعود کو تسلیم کرنے میں کوئی دقت محسوس نہ ہو۔ نبی کریم ﷺ کو قرآن مجید میں سورج کہا گیا ہے اور مندرجہ بالا آیت میں اسلام کے عارضی ضعف کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ مسیح موعودؑ کے نزول کے وقت سورج پر پردہ ڈال دیا جائے گا یعنی رسول کریم ﷺ کی عظمت دلوں میں اتنی نہیں رہے گی جس کے آپ مستحق ہیں۔ عملی طور پر مسلمان آپ کی تعلیمات پر عمل کرنے کی بجائے اپنی اپنی رائے پر عمل کریں گے۔ اس کے ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ مسیح موعودؑ کی آمد پر سورج کو گرہن لگے گا۔ ستاروں کے دھندلانے سے یہ مراد ہے کہ نہ صرف رسول اللہ ﷺ کی اتباع مفقود ہو جائے گی بلکہ صحابہؓ کی اتباع بھی ترک کر دی جائے گی۔ مسلمان اپنی قومی روایات کو زندہ رکھنے کی بجائے دوسروں کی پیروی کر رہے ہوں گے۔ پہاڑوں کے چلائے جانے سے مراد ہے کہ اس زمانے میں علماء جو مذہب کو سیاست پر مقدم رکھتے ہیں ان کو ملکوں سے نکال دیا جائے گا جیسا ترکی اور روس اور دیگر ممالک میں ہوا۔ اس سے یہ بھی مراد ہے کہ اس زمانے میں پہاڑوں کو بارود سے اڑا کے ان پتھروں کو استعمال کیا جائے گا اور پہاڑوں پر چلنے کے لئے راستے تیار کئے جائیں گے۔ مسلم کی حدیث میں جہاں مسیح موعودؑ کے زمانے کا ذکر ہے وہاں یہ حدیث ہے کہ اس زمانے میں اونٹ کی سواری ترک کر دی جائے گی اور اس کی جگہ تیز رفتار سواریاں نکل آئیں گی۔ آنحضرت ﷺ کی سچائی کے لئے یہ ایک عظیم الشان نشان ہے کہ آپؐ نے چودہ سو سال قبل جدید قسم کی تیز رفتار سواریوں کی خبر دی جو انسان کے بس کی بات نہیں۔ وحشی اکٹھے کئے جانے کے بارے میں ایک زبردست پیش گوئی ہے کہ اس زمانے میں چڑیا گھروں میں مختلف ممالک سے وحشی جانوروں کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے گا۔ اب دنیا کا کوئی بھی ملک ایسا نہیں جہاں چڑیا گھر موجود نہ ہوں۔ اس سے یہ بھی مراد ہے کہ اس زمانے میں آمدورفت کے ذرائع ایسے ہوں گے کہ قوموں کا ایک دوسروں سے ملنا آسان ہو جائے گا اور وہ ایک دوسرے میں مدغم ہو جائیں گے۔ اگلی آیت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس سے مراد قیامت کا وقت نہیں ہے۔ فرمایا گیا کہ اس وقت دریاؤں کو پھاڑ دیا دیا جائے اور ان کے پانیوں کو جہاز رانی کے لئے استعمال کیا جائے گا۔ اس سے یہ بھی مراد ہے کہ سمندر آپس میں ملا دئے جائیں گے جیسے نہر سویز کے ذریعہ قلزم اور روم کو نہر پانامہ کے ذریعہ دو سمندروں کو ملا دیا گیا ہے۔ پھر اس زمانے میں یہ بھی ظاہر ہوگا کہ آمدورفت کے وسائل اس قدر وافر ہوں گے کہ لوگ ایک دوسرے کے بالکل قریب ہو جائیں گے۔ اس وقت مختلف اقوام کے لوگ آپس میں شادی بیاہ بھی کرنے لگ جائیں گے اور ایک دوسرے کے اندازِ زندگی اور فلسفہ سے بے حد متاثر ہوں گے۔ اس میں مختلف ایجادات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ تار برقی، ریڈیو، ڈاکخانہ اور ٹیلی ویژن کی وجہ سے ایسے لگے گا کہ گویا ساری دنیا ایک جگہ جمع کر دی گئی ہے۔ جس طرح قرآن کریم کی ساری پیش گویاں پوری ہو چکی ہیں اسی طرح یہ بھی پوری ہو چکی ہے کہ اس زمانے میں لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کے خلاف قوانین بنائے جائیں گے۔ اگر کوئی ایسا کرے گا تو اسے قانون کے تحت سزا دی جائے گی۔ اسی طرح بیان فرمایا گیا کہ اس زمانے میں کتابیں پھیلا دی جائیں گی۔ یہ پیش گوئی کس عظیم الشان رنگ میں پوری ہو چکی ہے۔ کتابوں اور اخباروں کی طباعت کے لئے بے شمار پریس بن چکے ہیں اور پھر انہیں دنیا بھر میں پھیلا دیا جاتا ہے۔ اسی طرح پرانی زبانیں اور علوم جو ختم ہو چکے تھے ان کی پھر سے اشاعت کے سامان کئے گئے۔ حضرت مسیح موعود کا زمانہ چونکہ اسلام کی اشاعت کا زمانہ تھا اس لئے خدا تعالیٰ کی تقدیر نے ایسے سامان پیدا فرما دئے کہ اسلام کی تعلیم کو دنیا بھر میں پھیلانا آپؑ کے اور آپ کی جماعت کے لئے آسان ہو جائے۔ آپؑ کے زمانہ میں جہاں علوم ہیئت میں حیرت انگیز ترقی ہوئی اور نئے نئے سیاروں کا انکشاف ہوا وہاں آسمانی علوم میں بھی حیرت انگیز ترقی ہوئی۔ حضرت مسیح موعودؑ کے ذریعہ آسمانی علوم پر سے پردے اٹھا دئے گئے اور قرآن کریم کے وہ اسرار اور معارف جو چھپے ہوئے تھے یا احادیث کے وہ علوم جو مخفی چلے آتے تھے ان سب کو آپؑ کے ذریعہ ظاہر کر دیا گیا۔ اگر کوئی صدقِ دل سے ان آیاتِ قرآنیہ پر غور کرے تو ان میں بیان فرمودہ ساری باتیں بڑی شان سے پوری ہو چکی ہیں اور اسلام اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت پر گواہ ہیں۔

حدیث النبی ﷺ

حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: اِنَّ لِمَهْدِيِّنَا اٰيَتَيْنِ لَمْ تَكُوْنَا مُنْذُ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَنْكَسِفُ الْقَمَرُ لِاَوَّلِ لَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ وَ تَنْكَسِفُ الشَّمْسُ فِي النِّصْفِ مِنْهُ وَ لَمْ تَكُوْنَا مُنْذُ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ۔ یعنی ہمارے مہدی کی تائید وتصدیق کے لئے دو نشان مقرر ہیں جو زمین وآسمان کی پیدائش سے کسی مدعی کی صداقت کے لئے اب تک ظاہر نہیں ہوئے اور وہ یہ کہ چاند کو رمضان میں (گرہن کی راتوں میں سے) پہلی رات (یعنی تیرھویں تاریخ کو) اور سورج کو (گرہن کی تاریخوں میں سے) درمیانی تاریخ (یعنی اٹھائیسویں) کو گرہن لگے گا اور جب سے کائنات پیدا ہوئی ہے ایسا کسی کے وقت میں نہیں ہوا۔ (دار قطنی جلد اوّل)

سورج روشنی کا منبع ہے اور اُس کی روشنی کی وجہ سے ہمیں بعض دوسرے آسمانی سیارے مثلاً چاند وغیرہ نظر آتے ہیں۔ چاند کی اپنی کوئی روشنی نہیں ہے مگر جب اُس پر سورج کی روشنی پڑتی ہے تو وہ روشنی چاند کی سطح سے منعکس ہو جاتی ہے جس کی وجہ ہمیں چاند روشن نظر آتا ہے۔ زمین اور چاند اور دیگر سیارے حرکت کرتے رہتے ہیں اس لئے اگر زمین اور سورج کے درمیان چاند آجائے یا چاند اور سورج کے درمیان زمین آجائے تو زمین سے چاند یا سورج کو کچھ دیر کے لئے دیکھنا ممکن نہیں رہتا۔ جب ایسا ہو جائے تو اسے چاند کا یا سورج کا گرہن لگنا کہا جاتا ہے۔

سورج اور چاند کو، جب سے دنیا بنی ہے گرہن لگتا رہا ہے، کئی بار لگ چکا ہے اور قانونِ قدرت کے مطابق لگتا رہے گا۔ آنحضرت ﷺ کے فرمان کے مطابق جب امام مہدی کا زمانہ آئے گا تو اُس وقت اُس کی زندگی میں ایک ایسا نشان ظاہر ہوگا جو پہلے کبھی ظاہر نہیں ہوا۔ وہ نشان صرف امام مہدی کے زمانے میں ظاہر ہوگا۔ چاند کو رمضان میں پہلی رات یعنی تیرھویں تاریخ کو اور سورج کو گرہن لگنے کی تاریخوں کے درمیانی دن کو یعنی اٹھائیسویں کو گرہن لگے گا۔ گویا چاند اور سورج کے گرہن کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سچائی کا ایک نشان قرار دیا گیا تا کہ لوگ اس سے رہنمائی پا کر اسے پہچان سکیں اور اُس پر ایمان لا سکیں۔

اس نشان کے لئے تین باتیں ضروری تھیں۔ اوّل یہ کہ کوئی مسیح اور امام مہدی ہونے کا دعویٰ کرے۔

دوم یہ کہ سورج اور چاند کو رمضان میں گرہن لگے۔ سوم یہ کہ چاند کو تیرھویں اور سورج کو اٹھائیسویں تاریخ کو گرہن لگے۔ یہ کسی انسان کے بس کی بات نہیں کہ ایسا نشان لا سکے۔ یہ صرف خدا تعالیٰ کی طاقت میں ہے کہ وہ ایسا کر سکے۔ اسی لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ ایک ایسا نشان ہوگا جو پہلے کبھی ظاہر نہیں ہوا اور صرف امام مہدی کے لئے پیش کیا جائے گا۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے امام مہدی ہونے کا دعویٰ کیا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہ نشان آپؑ کے حق میں ضرور ظاہر فرمائے گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آمد سے پہلے بعض بزرگانِ امت نے اس بات کی اطلاع دی تھی کہ امام مہدی کے زمانے میں یہ آسمانی نشان ظاہر ہوگا۔

آنحضرت ﷺ کی پیش گوئی کے عین مطابق یہ نشان ظاہر ہوا اور مشرقی ممالک میں 21/مارچ 1894ء کو رمضان کے مہینہ میں چاند کو اور 6/اپریل 1894ء کو سورج گرہن لگا۔ اُس موقعہ پر قادیان میں نمازِ کسوف بھی ادا کی گئی۔ اگلے سال امریکہ میں بھی سورج اور چاند کو گرہن لگا۔

اُس موقعہ پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ نشان صرف آپؑ کی سچائی ثابت کرنے کے لئے عین آنحضرت ﷺ کی پیش گوئی کے مطابق آسمان سے ظاہر فرمایا گیا ہے۔ آج تک یہ کبھی نہیں ہوا کہ کسی نے خدا تعالیٰ کی طرف سے آنے کا دعویٰ کیا ہو اور اُس کے زمانے میں رمضان کی ان معین تاریخوں میں خسوف وکسوف کا نشان ظاہر ہوا ہو۔ اگر کوئی ایسی مثال پیش کر سکے تو اسے ایک ہزار روپیہ انعام دیا جائے گا مگر کوئی شخص ایسی مثال پیش نہ کر سکا۔

کلام الامام

حضرت اقدس مسیح موعود و مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

'' یہ عاجز اگر چہ ایسے کامل دوستوں کے وجود سے خدا تعالیٰ کا شکر کرتا ہے لیکن باوجود اس کے یہ بھی ایمان ہے کہ اگر چہ ایک فرد بھی ساتھ نہ رہے اور سب چھوڑ چھاڑ کر اپنا اپنا راہ لیں تب بھی مجھے کچھ خوف نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ خدا تعالیٰ میرے ساتھ ہے اگر میں پیسا جاؤں اور کچلا جاؤں اور ایک ذرّے سے بھی حقیر تر ہو جاؤں اور ہر ایک طرف سے ایذا اور گالی اور لعنت دیکھوں۔ تب بھی میں آخر فتحیاب ہوں گا۔ مجھ کو کوئی نہیں جانتا مگر وہ جو میرے ساتھ ہے۔ میں ہرگز ضائع نہیں ہوسکتا۔ دشمنوں کی کوششیں عبث ہیں اور حاسدوں کے منصوبے لاحاصل ہیں۔

اے نادانو اور اندھو! مجھ سے پہلے کون صادق ضائع ہوا جو میں ضائع ہو جاؤں گا۔ کس سچّے وفادار کو خدا نے ذلّت کے ساتھ ہلاک کر دیا جو مجھے ہلاک کرے گا۔ یقیناً یاد رکھو اور کان کھول کر سنو کہ میری روح ہلاک ہونے والی روح نہیں اور میری سرشت میں ناکامی کا خمیر نہیں۔ مجھے وہ ہمّت اور صدق بخشا گیا ہے جس کے آگے پہاڑ ہیچ ہیں۔ میں کسی کی پرواہ نہیں رکھتا۔ میں اکیلا تھا اور اکیلا رہنے پر ناراض نہیں۔ کیا خدا مجھے چھوڑ دے گا؟ کبھی نہیں چھوڑے گا۔ کیا وہ مجھے ضائع کر دے گا؟ کبھی نہیں ضائع کرے گا۔ دشمن ذلیل ہوں گے اور حاسد شرمندہ۔ اور خدا اپنے بندہ کو ہر میدان میں فتح دے گا۔ میں اس کے ساتھ وہ میرے ساتھ ہے۔ کوئی چیز ہمارا پیوند توڑ نہیں سکتی۔ اور مجھے اس کی عزّت اور جلال کی قسم ہے کہ مجھے دنیا اور آخرت میں اس سے زیادہ کوئی چیز بھی پیاری نہیں کہ اس کے دین کی عظمت ظاہر ہو اس کا جلال چمکے اور اس کا بول بالا ہو۔ کسی ابتلا سے اس کے فضل کے ساتھ مجھے خوف نہیں اگر چہ ایک ابتلا نہیں کروڑ ابتلا ہو۔ ابتلاؤں کے میدان میں اور دکھوں کے جنگل میں مجھے طاقت دی گئی ہے۔

من نہ آنستم کہ روز جنگ بینی پشتِ من　　آں منم کاندر میان خاک وخوں بینی سرے

پس اگر کوئی میرے قدم پر چلنا نہیں چاہتا تو مجھ سے الگ ہو جائے۔ مجھے کیا معلوم ہے کہ ابھی کون کون سے ہولناک جنگل اور پرخار بادیہ درپیش ہیں جن کو میں نے طے کرنا ہے۔ پس جن لوگوں کے نازک پیر ہیں وہ کیوں میرے ساتھ مصیبت اٹھاتے ہیں۔ جو میرے ہیں وُہ مجھ سے جدا نہیں ہو سکتے نہ مصیبت سے نہ لوگوں کے سب وشتم سے، نہ آسمانی ابتلاؤں اور آزمایشوں سے۔ اور جو میرے نہیں وہ عبث دوستی کا دم مارتے ہیں کیونکہ وہ عنقریب الگ کئے جائیں گے اور ان کا پچھلا حال ان کے پہلے سے بدتر ہوگا۔ کیا ہم زلزلوں سے ڈر سکتے ہیں۔ کیا ہم خدا تعالیٰ کی راہ میں ابتلاؤں سے خوفناک ہو جائیں گے۔ کیا ہم اپنے پیارے خدا کی کسی آزمائش سے جدا ہو سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں ہو سکتے مگر محض اس کے فضل اور رحمت سے۔ پس جو جدا ہونے والے ہیں جدا ہو جائیں۔ ان کو وداع کا سلام۔ لیکن یاد رکھیں کہ بدظنی اور قطع تعلّق کے بعد اگر پھر کسی وقت جھکیں تو اس جھکنے کی عنداللہ ایسی عزت نہیں ہوگی جو وفادار لوگ عزت پاتے ہیں۔ کیونکہ بدظنی اور غداری کا داغ بہت ہی بڑا داغ ہے۔''

(روحانی خزائن جلد نهم، انوار اسلام صفحه ۲۳، ۲۴)

ارشاد سیدنا امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

''اس زمانے میں اس نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس مقصد کے لئے مبعوث فرمایا ہے، اور اس زمانے میں جو آنحضرت ﷺ کی ذات پر حملے ہوئے اور جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اور بعد میں آپؑ کی تعلیم پر عمل کرتے ہوئے آپؑ کے خلفاء نے جماعت کی رہنمائی کی اور ردّعمل ظاہر کیا اور پھر جو اس کے نتیجے نکلے اس کی ایک دو مثالیں پیش کرتا ہوں تا کہ وہ لوگ جو احمدیوں پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ ہڑتالیں نہ کر کے اور ان میں شامل نہ ہو کر ہم یہ ثابت کر رہے ہیں کہ ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر کیچڑ اچھالنے کا کوئی درد نہیں ہے، ان پر جماعت کے کارنامے واضح ہو جائیں۔ ہمارا ردّعمل ہمیشہ ایسا ہوتا ہے اور ہونا چاہئے جس سے آنحضرت ﷺ کی تعلیم اور اسوہ نکھر کر سامنے آئے۔ قرآن کریم کی تعلیم نکھر کر سامنے آئے۔ آنحضرت ﷺ کی ذات پر ناپاک حملے دیکھ کر بجائے تخریبی کارروائیاں کرنے کے اللہ تعالیٰ کے حضور جھکتے ہوئے اس سے مدد مانگنے والے ہم بنتے ہیں۔ اب مَیں آنحضرت ﷺ کے عاشق صادق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عشق رسولؐ کی غیرت پر دو مثالیں دیتا ہوں۔

پہلی مثال عبداللہ آتھم کی ہے جو عیسائی تھا۔ اس نے اپنی کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اپنے انتہائی غلیظ ذہن کا مظاہرہ کرتے ہوئے دجّال کا لفظ نعوذ باللہ استعمال کیا۔ اس وقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ اسلام اور عیسائیت کے بارے میں ایک مباحثہ بھی چل رہا تھا، ایک بحث ہو رہی تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ سو میں پندرہ دن تک بحث میں مشغول رہا، بحث چلتی رہی اور پوشیدہ طور پر آتھم کی سرزنش کے لئے دعا مانگتا رہا۔ یعنی جو الفاظ اس نے کہے ہیں اس کی پکڑ کے لئے۔ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں کہ جب بحث ختم ہوئی تو مَیں نے اس سے کہا کہ ایک بحث تو ختم ہو گئی مگر ایک رنگ کا مقابلہ باقی رہا جو خدا کی طرف سے ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ نے اپنی کتاب ''اندرونہ بائبل'' میں ہمارے نبی ﷺ کو دجّال کے نام سے پکارا ہے۔ اور مَیں آنحضرت ﷺ کو صادق اور سچا جانتا ہوں اور دین اسلام کو مِن جانب اللہ یقین رکھتا ہوں۔ پس یہ وہ مقابلہ ہے کہ آسمانی فیصلہ اس کا تصفیہ کرے گا۔ اور وہ آسمانی فیصلہ یہ ہے کہ ہم دونوں میں سے جو شخص اپنے قول میں جھوٹا ہے اور ناحق رسول کو کاذب اور دجال کہتا ہے اور حق کا دشمن ہے وہ آج کے دن سے پندرہ مہینے تک اس شخص کی زندگی میں ہی جو حق پر ہے ہاویہ میں گرے گا بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے۔ یعنی راستباز اور صادق نبی کو دجال کہنے سے باز نہ آوے اور بے باکی اور بدزبانی نہ چھوڑے۔ یہ اس لئے کہا گیا کہ صرف کسی مذہب کا انکار کر دینا دنیا میں مستوجب سزا نہیں ٹھہرتا بلکہ بے باکی اور شوخی اور بدزبانی مستوجب سزا ٹھہرتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں جب مَیں نے یہ کہا تو اس کا رنگ فق ہو گیا، چہرہ زرد ہو گیا، اور ہاتھ کانپنے لگے تب اس نے بلا توقف اپنی زبان منہ سے نکالی اور دونوں ہاتھ کانوں پر دھر لئے اور ہاتھوں کو مع سر کے ہلانا شروع کیا جیسا ایک ملزم خائف ایک الزام کا سخت انکار کر کے توبہ اور انکسار کے رنگ میں اپنے تئیں ظاہر کرتا ہے اور بار بار کہتا تھا کہ توبہ توبہ مَیں نے بے ادبی اور گستاخی نہیں کی اور پھر بعد میں بھی اسلام کے خلاف کبھی نہیں بولا۔

تو یہ تھا آنحضرت ﷺ کی غیرت رکھنے والے شیر خدا کا ردّعمل۔ وہ للکارتے تھے ایسی حرکتیں کرنے والوں کو۔

پھر ایک شخص لیکھرام تھا جو آنحضرت ﷺ کو گالیاں نکالتا تھا۔ اس کی اس دریدہ دہنی پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو باز رکھنے کی کوشش کی۔ وہ باز نہ آیا۔ آخر آپؑ نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی دردناک موت کی خبر دی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس بارے میں فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ایک دشمن اللہ اور رسول کے بارے میں جو آنحضرت ﷺ کو گالیاں نکالتا ہے اور ناپاک کلمے زبان پر لاتا ہے جس کا نام لیکھرام ہے۔ مجھے وعدہ دیا اور میری دعا سنی اور جب مَیں نے اس پر بددعا کی کہ تو خدا نے مجھے بشارت دی کہ وہ چھ سال کے اندر ہلاک ہو جائے گا۔ یہ ان کے لئے نشان ہے جو سچے مذہب کو ڈھونڈتے ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور وہ بڑی دردناک موت مرا۔

یہی اسلوب ہمیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سکھائے کہ اس قسم کی حرکت کرنے والوں کو سمجھاؤ۔ آنحضرت ﷺ کے محاسن بیان کرو، دنیا کو ان خوبصورت اور روشن پہلوؤں سے آگاہ کرو جو دنیا کی نظر سے چھپے ہوئے ہیں اور اللہ سے دعا کرو کہ یا تو اللہ تعالیٰ ان کو ان حرکتوں سے باز رکھے یا پھر خود ان کی پکڑ کرے۔ اللہ تعالیٰ کی پکڑ کے اپنے طریقے ہیں وہ بہتر جانتا ہے کہ اس نے کس طریقے سے کس کو پکڑنا ہے۔''

(ارشاد فرمودہ ۱۰/فروری ۲۰۰۶ء بمقام مسجد بیت الفتوح مورڈن)

چودھویں صدی میں مسیح موعود اور امام مہدی کا ظہور

ایک اعتراض اور اس کا جواب

(عطاء المجیب راشد)

جماعت احمدیہ کے مخالفین کی طرف سے جو اعتراضات جماعت احمدیہ اور بانیٔ جماعت احمدیہ سیدنا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود و مہدی موعود علیہ السلام پر کئے جاتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ نے اپنی کتاب ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم کے صفحہ ۳۵۹ پر یہ لکھا ہے کہ:-

'' ایسا ہی احادیث صحیحہ میں آیا تھا کہ وہ مسیح موعود صدی کے سر پر آئیگا اور وہ چودھویں صدی کا مجدّد ہوگا۔ سو یہ تمام علامات بھی اس زمانہ میں پوری ہوگئیں۔''

معترضین کا کہنا ہے کہ یہ بات احادیث میں ہرگز مذکور نہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ تحریر خلافِ واقعہ اور غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو بات بیان فرمائی ہے وہ سو فیصدی درست اور صداقت پر مبنی ہے اور ہرگز محلِ اعتراض نہیں۔

اعتراض کا تفصیلی جواب بیان کرنے سے قبل یہ ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ساری امّت محمدیہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ آخری زمانہ میں مسلمانوں کے اندر مسیح اور مہدی ظاہر ہوں گے، ان کے ذریعہ اسلام ساری دنیا میں غالب ہوگا اور یہ غلبہ قیامت تک قائم رہیگا۔ نزولِ مسیح اور ظہور مہدی کا اشارہ قرآن مجید میں بھی موجود ہے اور احادیثِ نبویہ میں بھی ہر دو امور کی صراحت پائی جاتی ہے۔ اس وجہ سے مسلمانوں کے نزدیک مسیح اور مہدی کی آمد ایک مسلّمہ امر ہے البتہ ایک بنیادی غلط فہمی یہ پائی جاتی ہے کہ یہ دو الگ الگ شخصیات ہوں گی۔

جماعت احمدیہ یہ عقیدہ رکھتی ہے کہ مسیح اور مہدی دو الگ الگ شخصیات نہیں بلکہ ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔ دونوں کی آمد کا زمانہ ایک، دونوں کا حلیہ ایک جیسا، دونوں کے مقاصد اور کام ایک جیسے، پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ان دونوں کا وجود ایک نہ ہو۔ ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے تو یہ بات دوٹوک الفاظ میں بیان فرمادی ہے۔ صحاح ستہ کی ایک کتاب سنن ابن ماجہ میں منقول آپ کی حدیث کے الفاظ ہیں: لَامهدی الّا عیسیٰ ابن مَریَم (ابن ماجه باب شدۃ الزمان) یعنی حضرت عیسیٰ کے سوا اور کوئی مہدی موجود نہیں ہے۔ پھر ایک اور حدیث بھی ہے جو صاف الفاظ میں مسیح موعود کو ہی امام مہدی بتاتی ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

''یُوشَکَ مَنْ عَاشَ مِنکُمْ ان یلقیٰ عیسیٰ ابن مریم اماماً مَهدِیاً وَحکماً عدلاً فَیکْسِر الصَّلیبَ وَ یقتل الخنزیرَ۔ (مسند احمد بن حبل جلد نمبر ۲ صفحہ ۱۱۴) یعنی جو تم میں سے اس وقت زندہ ہوا وہ عیسیٰ بن مریم کو پائے گا جو امام مہدی ہوں گے اور حَکَم عدل ہوں گے، صلیب کو توڑیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے۔

علاوہ ازیں صحیح بخاری جس کو اصحّ الکتب بعد کتاب اللہ تسلیم کیا جاتا ہے، اس امر کو مزید واضح کر دیتی ہے کہ ابن مریم ہی امام مہدی ہوں گے۔ حدیث نبوی کے الفاظ ہیں: کَیفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ ابنُ مَریَمَ فِیکُم وَاِمامُکم مِنکُم۔ (صحیح بخاری باب نزول عیسیٰ بن مریم)۔ یعنی اے مسلمانو! تمہارا کیا ہی اچھا حال ہوگا جب تم میں ابن مریم نازل ہوگا اور وہ تم میں سے تمہارا امام ہوگا۔ یہ حدیث صحیح مسلم میں جن الفاظ میں آئی ہے اس نے تاویل کے بعید ترین احتمال کو بھی زائل کر دیا ہے۔ وہاں پر حدیث کے الفاظ یوں ہیں: کَیفَ انتُم اِذا نَزَل ابن مریَمَ فِیکم فَاَمَّکُم مِنکُم (صحیح مسلم باب نزول عیسیٰ) یعنی اے مسلمانو! تمہارا کیا ہی اچھا حال ہوگا جب تم میں ابن مریم نازل ہوگا اور وہ تم میں سے تمہاری امامت کرے گا۔ پس ان قطعی شواہد کی بناء پر جماعت احمدیہ یہ عقیدہ رکھتی ہے کہ مسیح اور مہدی درحقیقت ایک ہی وجود کے دو نام ہیں۔ وجود ایک ہی ہے جس کو دو حیثیتوں کے اعتبار سے دو الگ الگ نام دیئے گئے ہیں۔ اس اصل کے قائم ہونے کے ساتھ یہ بات بھی خود بخود واضح ہوجاتی ہے کہ احادیث نبویّہ میں اگرچہ مسیح موعود اور امام مہدی کے بارہ میں بعض صورتوں میں الگ الگ ذکر نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں یہ سب احادیث ایک ہی وجود کی طرف اشارہ کرنے والی ہیں۔

اس وضاحت کے بعد اب ہم اصل اعتراض کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اس کا تفصیلی جواب بیان کرتے ہیں۔

واضح ہو کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جس تحریر کو محلّ اعتراض بتایا گیا ہے اس میں آپ نے مسیح موعود کے زمانۂ بعثت کا ذکر فرمایا ہے۔ سیاقِ کلام پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قرآن مجید اور احادیث نبویّہ میں مذکور نشانیوں اور علامات کی روشنی میں یہ استدلال کیا ہے کہ مسیح موعود کے ظہور کا زمانہ چودھویں صدی کا آغاز ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

'' قرآن شریف نے اس طرف اشارہ کیا تھا کہ وہ مسیح موعود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح چودھویں صدی میں ظاہر ہوگا۔ سو میرا ظہور چودھویں صدی میں ہوا...... ایسا ہی احادیث صحیحہ میں آیا تھا کہ وہ مسیح موعود صدی کے سر پر آئے گا اور وہ چودھویں صدی کا مجدّد ہوگا۔ سو یہ تمام علامات بھی اس زمانہ میں پوری ہوگئیں۔''

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۸۵۳، صفحہ ۹۵۳)

اس سارے حوالہ پر یکجائی نظر کرنے سے پوری طرح واضح ہوجاتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کسی ایک معین آیت یا ایک معین حدیث سے چودھویں صدی میں ظہورِ مسیح کا استدلال نہیں فرمایا بلکہ قرآن مجید کی مختلف آیات اور مختلف احادیث نبویّہ کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ استدلال فرمایا ہے کہ مسیح کی آمد اور ظہور کا وقت چودھویں صدی کا آغاز ہوگا پس اگر قرآن مجید کی آیات اور احادیث نبویہ سے چودھویں صدی کا اشارہ اور قرینہ دکھا دیا جائے تو معترض کا اعتراض باطل ہوجاتا ہے۔

جماعت احمدیہ کا دعویٰ ہے کہ قرآن مجید کی ایک نہیں بلکہ متعدد آیات سے اور نبیٔ اکرم ﷺ کی ایک حدیث نہیں بلکہ متعدد احادیث سے چودھویں صدی کے سر پر مسیح و مہدی کے ظہور کا واضح اشارہ اور قرینہ ملتا ہے۔ یہ قرآنی آیات اور احادیث حسب ذیل ہیں:

آیاتِ قرآنیہ:

بطور نمونہ ہم چند آیات پیش کرتے ہیں:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَعَدَاللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُو مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰت لَيَسْتَخْلِفَنَّهُم فِيْ الاَرْضِ كَماَ اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِم ...... الآية (سورۃ النور:۵۶) یعنی اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ نیک اور اعمال صالحہ بجالانے والے مسلمانوں میں سے اُسی طرح خلفاء قائم کرے گا جس طرح اس نے ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں میں قائم فرمائے تھے۔

یہ پہلے لوگ کون تھے؟ قرآن مجید کی ایک دوسری آیت کریمہ بہت واضح طور پر ہماری راہنمائی کرتی ہے کہ اس جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت کا ذکر ہے۔

سورہ مزمّل میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: انآ ارسلنا اِلَيكم رسُولاً شاهداً عَلَيْكم كَماَ اَرسلنا الىٰ فرعونَ رَسولاً (سورہ المزمل:۱۶) کہ اے لوگو! ہم نے تمہاری طرف اسی طریق پر اور اسی رنگ میں رسول بھیجا ہے جس طرح کہ فرعون کی طرف بھیجا تھا۔

اللہ تعالیٰ اس آیت کریمہ میں آنحضرت ﷺ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مثیل قرار دیا ہے پس معلوم ہؤا کہ سورہ نور کی مذکورہ بالا آیتِ استخلاف میں مِن قَبْلِهِم سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت ہے اور ان دونوں آیات میں لفظ كَماَ کا اشتراک یہ بتاتا ہے کہ موسوی اور محمدی سلسلہ میں مشابہت لازمی ہے۔

امّت موسویہ کے حالات پر نظر کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اسی میں حضرت موسیٰ کے بعد کثرت کے ساتھ خلفاء قائم کئے گئے اور بالآخر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تیرہ سو سال بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت ہوئی جو امّت موسویہ کے خلفاء میں سے سب سے افضل تھے۔ گویا امّت موسویہ کے خاتم الخلفاء تھے۔ بالکل اسی طریق پر امّت محمدیہ میں سلسلۂ خلفاء کا وعدہ دیا گیا ہے اور لازمی ہے کہ اس امّت میں بھی آخری خلیفہ مسیح ناصری کے قدم پر ظاہر ہو جو اس امت کا خاتم الخلفاء ہو اور اس کا ظہور اسی زمانہ کے قریب قریب ہو جیسا کہ امّت موسویہ میں تھا۔ پس صاف ظاہر ہے کہ جس طرح مسیح اوّل اپنے سلسلہ میں تیرھویں صدی گزرنے پر آیا اسی طرح امّت محمدیہ کے مسیح موعود کا ظہور بھی آنحضرت ﷺ کے بعد تیرھویں صدی کے اختتام اور چودھویں صدی کے آغاز پر مقدّر تھا۔

قرآن کریم کی ایک اور آیت بھی مسیح موعود اور امام مہدی کے وقت ظہور کی تعیین کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: يُدبِّرُ الامْرو مِنَ السَمآءِ الَى الارْضِ ثُمَّ يَعرُجُ اِلَيْهِ فى يَومٍ كَانَ مِقدَارُهُ اَلفَ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّونَ (سورۃ السجدۃ:۶)۔ یعنی اللہ تعالیٰ آسمان سے زمین کی طرف تدبیر امر کرتا رہے گا پھر ایک عرصہ کے بعد وہ دین (یعنی دین اسلام) آسمان کی طرف چڑھ جائے گا اور اس عرصہ کی مقدار تمہارے شمار کے مطابق ایک ہزار سال ہے۔

آنحضرت ﷺ نے اسلام کی پہلی تین صدیوں کو خیرالقرون قرار دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ دینِ حق کے آسمان کی طرف چڑھ جانے کی بات ان صدیوں میں نہیں ہوسکتی۔ لازمی طور پر یہ تین صدیوں کے بعد ہونا مقدر تھا۔ آیت کریمہ بتاتی ہے کہ یہ کیفیت ایک ہزار سال تک جاری رہنی تھی جس کے گزرنے پر از سرِ نو نشأۃ ثانیہ مقدّر تھی۔ اب حساب کیا جائے تو کس قدر وضاحت سے نظر آتا ہے کہ احیاء اسلام کا یہ دور تیرھویں صدی کا آغاز وہ وقت ہے جب مسیح موعود اور امام مہدی کا ظہور مقدّر تھا جن کے ہاتھوں اسلام کے غلبہ اور اس کی نشأۃ ثانیہ کی بنیاد قائم کی جانی تھی۔

قرآن مجید کی ایک اور آیت کریمہ وَآخَرِينَ مِنهُمْ لَمّا يَلْحقُوابِهِمْ (سورۃ الجمعہ:۴) بھی مسیح موعود، امام مہدی کے ظہور کے وقت کا اشارہ کرتی ہے۔ جب صحابہ کرام نے یہ سنا کہ آنحضرت ﷺ کی ایک بعثت ایسے لوگوں میں بھی ہوگی جو ابھی صحابہ سے نہیں ملے تو صحابہ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! یہ کون لوگ ہیں بخاری شریف کتاب التفسیر میں لکھا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اس سوال کا جواب دیتے وقت اپنے صحابی حضرت سلمان فارسیؓ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: لَوْكانَ الايمان عندالثُّريا لَنالهُ رَجُلٌ مِن هٰؤلآءِ کہ جب ایمان زمین سے اٹھ کر ثریا ستارے پر چلا جائے گا تو ان فارسی الاصل لوگوں میں سے ایک شخص اسے وہاں سے اتار لائے گا۔

مذکورہ بالا آیت کریمہ اور حدیث نبوی کو سورہ السجدہ کی آیت يُدبِّرُ الاَمْرَ مِنَ السَّمآءِ اِلَى الاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اَلَيهِ فِى يَومٍ كَانَ مِقْدَارُهُ اَلْفَ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّونَ کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے تو کس قدر صراحت سے یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ اسلام کی تین ابتدائی خیرالقرون کے بعد ایمان کے آسمان پر اٹھ جانے کا یہ مرحلہ آنے والا تھا اور فیج اموج کا یہ دور۔ ظلمت کی یہ تاریک رات ایک ہزار سال تک ممتد ہونے والی تھی گویا تیرھویں صدی کے بعد نبیٔ کریم ﷺ کی روحانی بعثت ثانیہ کے ذریعہ احیاء اسلام اور غلبۂ اسلام کے دور کا آغاز ہونے والا تھا اسی بعثتِ ثانیہ کا نام مسیح موعود اور امام مہدی کی آمد ہے جو تیرھویں اور چودھویں صدی کے سنگھم پر مقدر تھی۔ عجیب حسنِ توارد ہے کہ آیت وَاٰخرين منهم لَمّا يلحقوابهم کی مقدار بحساب جمل ۱۲۷۵ بنتی ہے جس میں اشارہ ہے کہ آنے والا موعود تیرھویں صدی کے آخری حصہ میں ظہور کرے گا اور اس کا زمانہ تیرھویں اور چودھویں صدی کا سنگم ہوگا۔

احادیثِ نبویہ:

اب ہم چند احادیثِ نبویہؐ کا ذکر کرتے ہیں جو مسیح موعود اور امام مہدی کے ظہور کے وقت کی تعیین میں ہماری راہنمائی کرتی ہیں۔

سب سے پہلے ہم حدیث مجدد کو پیش کرتے ہیں۔ حدیث کے الفاظ ہیں:

اِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الاُمَّةِ عَلَى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُجدِّدُ لَهَا دِينَهاَ۔ (ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۱۴۲ کتاب الفتن، مشکوۃ)۔ کہ اللہ تعالیٰ اس امت کے لئے ہر صدی کے سر پر ایک مجدد مبعوث فرمایا کرے گا جو آ کر دین کی تجدید کرے گا۔ اس حدیث سے یہ بات بالوضاحت ثابت ہوجاتی ہے کہ ہر صدی کے سر پر یعنی آغاز کے موقعہ پر ایک مجدّد کا ظہور ہوگا جو اس ساری صدی کا مجدّد کہلائے گا۔ اس حدیث کے مطابق علمائے امّت محمدؐیہ مجدّدین کی آمد کے قائل رہے ہیں اور ان کی کتب میں ان مجددین کے ناموں کی فہرستیں بھی درج ہیں۔ امت موسویہ اور امت محمدیہ کی مشابہت کے پیش نظر (جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے) یہ بھی لازمی تھا کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی چودھویں صدی میں امت موسویہ کے خاتم الخلفاء حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ظہور ہؤا تھا، اسی طرح امت محمدیہ میں چودھویں صدی کے آغاز پر ایک عام مجدّد نہیں بلکہ ایک عظیم الشان مجدّد اور خاتم الخلفاء کا ظہور ہوتا جو حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کا مثیل اور اس امت کا مسیح اور امام مہدی کہلاتا۔ چنانچہ علمائے

امت کا یہی عقیدہ رہا ہے۔ بطور مثال ہم نواب صدیق حسن خان کا ذکر کرتے ہیں جنہوں نے اپنی کتاب میں تیرہ صدیوں کے مجدّدین کی فہرست درج کرنے کے بعد لکھا ہے: ''وبر سرِ مائة چهاردهم که دَه سال کامل آں را باقی است ۔ اگر ظهور مهدی علیه السلام و نزول عیسیٰ گرفت پس ایشاں مجدّد و مجتهد باشند '' (حج الکرامہ صفحہ ۱۳۹ مطبوعہ ۱۲۹۱ھ) یعنی چودھویں صدی ہجری کے شروع ہونے میں ابھی دس سال باقی ہیں۔ اگر چودھویں صدی کے سر پر مہدی علیہ السلام کا ظہور یا عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا تو پھر وہی چودھویں صدی کے مجدّد و مجتہد ہوں گے۔

آنحضرت ﷺ کی ایک دوسری حدیث بھی اس مضمون میں بہت واضح ہے۔ الفاظ ہیں: ''اَلآ یات بعدَ المِأ تین ''۔ (مشکوٰۃ مجتبائی صفحہ ۴۷۱ ابن ماجہ ومستدرک حاکم) کہ اگر مسیح ومہدی کے ظہور کی نشانیاں بارھویں صدی کے گزرنے پر ظاہر ہوں گی۔ اور نشانیوں کا ظاہر ہو جانا اس امر کی دلیل اور واضح نشان دہی ہے کہ وہی وقت ان کے ظہور کا ہے۔ (یادرہے کہ اس حدیث کا لفظی ترجمہ یہ بنتا ہے کہ ''نشانیاں دو صدیاں گزرنے پر ظاہر ہوں گی'')۔

چونکہ اس حدیث میں امام مہدی کے آنے کے زمانہ کا ذکر ہے اور اس کا ظہور اس وقت ہونا مقدر ہے جبکہ ایمان ثریا پر جا چکا ہو اور اسی نے اس ایمان کو دوبارہ دنیا میں قائم کرنا ہے اس لئے آیت قرآنی کان مقدارُهٗ اَلفَ سَنَةٍ مِمّا تَعُدُّوْن (سورۃ السجدۃ) کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ ترجمہ درست ہے کہ مسیح ومہدی کے ظہور کی نشانیاں بارھویں صدی کے گزر جانے کے بعد ظاہر ہونی شروع ہوں گی۔ شائد کسی معترض کو خیال ہو کہ ہم بہت دُور کی کوڑی لائے ہیں۔ اس شبہ کے ازالہ کے لئے ہم حضرت ملاّ علی قاری رحمہ اللہ علیہ کا ایک بہت واضح حوالہ پیش کرتے ہیں جو نہ صرف ہمارے معانی کی تائید کرتا ہے بلکہ یہ بھی ثابت کر دیتا ہے کہ مسیح اور مہدی ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: وَيحتمِلُ اَن يَكونَ اللام فى المِأتين للعَهدِ اَىْ بعدَالمِأتين بعدَالالُفِ وَهُوَ وقتُ ظهورِالمهدى وخروجِ الدَّجال وَ نزلِ عيسىٰ عَلَيْه الصَّلوٰةُ وَالسَّلامُ وتتابعُ الآياتِ مِن طلوعِ الشَّمسِ من مَغربها وخروجِ دَابَّةِ الارضِ وظهورِ ياجوج و ماجوج و أمثالِها۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۵ صفحہ ۵۸۱)

یعنی المأتین کا الف لام عہد کا بھی ہوسکتا ہے۔ اس صورت میں حدیث کے یہ معنی ہوں گے کہ بارہ سو سال کے بعد یہ نشانیاں ظہور پذیر ہوں گی اور مہدی کے ظہور اخروج دجّال، نزول عیسیٰ علیہ السلام، مغرب سے سورج کے طلوع ہونے، دابۃ الارض کے نکلنے اور یاجوج وماجوج کے خروج کا یہی وقت ہوگا۔

یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ اس حدیث کے مطابق مسیح ومہدی کے ظہور کی نشانیوں کا ظاہر ہونا بارھویں صدی کے بعد یعنی تیرھویں صدی میں بیان کیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ اسی تیرھویں صدی میں مسیح ومہدی کی پیدائش ہونی چاہئے اور ہونی بھی ایسے وقت میں چاہیے کہ وہ صدی کے آغاز پر (انبیاء علیہم السلام) کے عمومی طریق کے مطابق چالیس سال کا ہو کر) دعویٰ کرنے والا ہو۔ گویا تیرھویں صدی کے نصف میں کسی وقت اس کی پیدائش ہونی چاہیے جبکہ اس کے ظہور کی نشانیاں اس کے آگے پیچھے اس کی تائید کیلئے دست بدست کھڑی ہوں۔

اے اعتراض کرنے والو! دیکھو اور سنو کہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام جنہیں ہم مسیح موعود اور امام مہدی یقین کرتے اور ان سب پیشگوئیوں کا مصداق سمجھتے ہیں ۱۴رشوال ۱۲۵۰ ہجری قمری بمطابق ۱۳رفروری ۱۸۳۵ء سن عیسوی بروز جمعہ پیدا ہوئے اور ۱۲۹۰ ہجری قمری میں یعنی چودھویں صدی کے سر پر دعویٰ مہدویت کے ساتھ ظاہر ہوئے اس سے زیادہ واضح پیشگوئی اور اس کا شاندار ظہور اور کیا ہوسکتا ہے!۔

جہاں تک علامات اور نشانیوں کے ظہور کا تعلق ہے یہ بات بھی اظہر من الشّمس ہے کہ وہ ساری نشانیاں جو مسیح موعود اور امام مہدی سے زمانہ کی احادیث میں مذکور ہیں وہ ساری کی ساری بڑی شان اور صراحت کے ساتھ تیرھویں صدی کے اختتام اور چودھویں کے آغاز پر ظاہر ہو چکی تھیں۔ جب علامات ظاہر ہو گئیں تو کس طرح ممکن ہے کہ اس شخص موعود کے ظہور کا وہی زمانہ نہ ہو جس کی صداقت کے لئے یہ سب علامات بطور گواہ کے ہیں۔ یہ واقعاتی شہادت ہر سعید فطرت انسان کی نظر میں ایک وزنی دلیل کا حکم رکھتی ہے۔

جہاں تک علامات کا تعلق ہے وہ بے شمار ہیں اور ان میں سے چند ایک کا ذکر اوپر ایک حوالہ کے ضمن میں بھی ہو چکا ہے۔ اس استدلال کو مکمل کرنے کی غرض سے بطور مثال ہم ایک عظیم آفاقی نشان کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جو حدیث میں مذکور ہے اور اس کا عمل بطور ظہور اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ مسیح موعود اور امام مہدی کے ظہور کا زمانہ چودھویں صدی کا آغاز ہے جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے زیر نظر حوالہ میں بیان فرمایا ہے۔

یہ خصوصی نشان اور علامات کسوف وخسوف کا ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:
''اِنَّ لَمَهدِينا آيَتينِ لمْ تَكُونا مُنذُ خَلَقِ السَّمٰوٰتِ والْارضِ يَنكسِفُ القَمَرُ لِاوَّلِ لَيْلَةٍ من رَمَضانَ وتَنْكَسِفُ الشَّمسُ فى النِّصفِ مِنهُ۔ (الدارقطنی صفحہ ۱۸۸)۔ گویا نشان یہ تھا کہ سچے مدعی مہدویت کے وقت میں رمضان میں چاند کو گرہن کی راتوں میں سے پہلی رات میں اور سورج کو اس کے گرہن کے دنوں میں سے درمیانی دن میں گرہن لگے گا۔ یہ عظیم الشان اور قطعی نشان ۱۳۱۱ ہجری قمری مطابق ۱۸۹۴ء میں ظاہر ہوا پہلے سال کرہ مشرقی میں اور دوسرے سال کرۂ مغربی میں۔ اس نشان کے عملی ظہور نے واقعاتی طور پر قطعیت اور تحدّی کے ساتھ ثابت کر دیا کہ مسیح موعود اور امام مہدی کے ظہور کا وقت چودھویں صدی کا آغاز تھا۔ اللہ تعالیٰ کی فعلی شہادت نے صادق ومصدوق ﷺ کی فرمودہ بات کی صداقت کو بھی واضح کر دیا اور اس بارہ میں طالبان حق کے لئے بھی زمانہ کی تعیین ایسی واضح کر دی کہ کسی قسم کا شک وشبہ باقی نہیں رہتا۔

نبی کریم ﷺ کی ایک اور حدیث بھی بہت وضاحت سے امام مہدی اور مسیح موعود کی آمد کے زمانہ کی تعیین کرتی ہے۔ حدیث کے الفاظ ہیں:
اِذا مَضَتْ اَلفٌ وَ مِأ تَانِ واَرْبعُونَ سَنَةً يبعَثُ اللّٰهَ المَهْدِى۔ (النجم الثاقب جلد ۲ صفحہ ۲۰۹)۔ یعنی جب ایک ہزار دوسو چالیس برس گزر جائیں گے تو اللہ تعالیٰ امام مہدی کو مبعوث فرمائے گا۔

کوئی دیکھنے والا ہو تو دیکھے کہ اس حدیث میں کتنی وضاحت سے ایک پیشگوئی

صفحہ ۲۲ پر جاری ہے

سیرت صحابہؓ سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

(اخلاق احمد انجم)

انبیاء اللہ تعالیٰ کے نور سے منوّر ہوتے ہیں اور اُن کو ایک کشش مقناطیسی عطا ہوتی ہے جس کے ذریعہ پاک اور سعید فطرت لوگ اُن کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں اور وہ فوق العادت زندگی کا نمونہ دکھلاتے ہیں اور اُس کشش کی چمک اُن وجودوں میں بھی نظر آنی شروع ہو جاتی ہے۔ ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفی ﷺ کو یہ قوّت کشش تمام انبیاء سے بڑھ کر عطا ہوئی اور اس قوّتِ قدسیہ کے نتیجہ میں ایک عظیم الشان انقلاب برپا ہوا۔ آپؐ کے صحابہ کے دلوں میں ایسی پاک قسم کی تبدیلی پیدا ہوئی کہ درحقیقت اُن کے اندر سے دنیا کی طلب ہی مسلوب ہوگئی اور وہ خدا تعالیٰ کو دیکھنے لگ گئے۔

آخری زمانہ میں قرآنِ مجید، احادیث اور انجیل کی پیشگوئیوں کے مطابق ایسے وجود کا ظہور مقدر تھا جس نے آنحضرت ﷺ کا کامل بروز ہو کر آپؐ کے کمالات سے وافر حصّہ پانا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اُس وجود کو بھی ایسی قوّتِ مقناطیسی عطا فرمائی تھی کہ پاک لوگ اُسکے گرد پروانوں کی طرح جمع ہوئے اور ایک کثیر گروہ فدائین اور مخلصین کا اُس کو عطا ہوا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ایسے پاک فطرت اور سراپا نور وجود عطا فرمائے گئے کہ اُن کی مثال اسلام کے صدرِ اوّل کے بعد کسی زمانہ میں بھی نہیں ملتی۔ حضورؑ خود فرماتے ہیں کہ "صحابہؓ سے ملا جب مجھ کو پایا"۔ نیز اپنے مخلصین کا ذکر یوں فرمایا: "میرے ساتھ تعلّق اخوت پکڑنے والے اور اس سلسلہ میں داخل ہونے والے جس کو خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے قائم کیا ہے، محبت اور اخلاص کے رنگ سے ایک عجیب طرز پر رنگین ہیں۔ نہ میں نے اپنی محنت سے بلکہ خدا تعالیٰ نے اپنے خاص احسان سے یہ صدق سے بھری ہوئی روحیں مجھے عطا کی ہیں"۔ (فتح اسلام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 35)

آپؑ نے فرمایا: "میرے ساتھ بہت سی وہ جماعت ہے جنہوں نے خود دین کو دنیا پر مقدم رکھ کر اپنے تئیں درویش بنا دیا ہے اور اپنے وطنوں سے ہجرت کر کے اور اپنے قدیم دوستوں اور اقارب سے علیحدہ ہو کر اور اپنی طرزِ زندگی کو سراسر مسکینی اور درویشی کی طرف تبدیل کر کے قادیان میں میری ہمسائیگی میں آ کر آباد ہو گئے ہیں اور کچھ وہ ہیں جو دلوں سے اپنے وطنوں اور اپنے املاک کی محبت دور کر چکے ہیں اور عنقریب وہ بھی اسی خاکِ قادیان کو موت تک اپنا وطن بنانا چاہتے ہیں۔ سو یہی درویش ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے میرے الہامات میں قابلِ تعریف کہا ہے اور یہی ہیں جن کو درویشی نے مغلوب نہیں کیا بلکہ خود انہوں نے درویشی کو اپنے لئے پسند کیا ہے اور ایمان کی حلاوت کو پا کر تمام حلاوتوں کو اپنے دامن سے پھینک دیا ہے"۔ (روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 626-625)

اگرچہ صحابہؓ میں ہر فدائی تقویٰ، اخلاص اور خدا تعالیٰ کی محبت میں سرگرداں تھا اور ایک ایک سعید وجود حضرتِ اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کا نشان ہے۔ تاہم ذیل میں محض چند وجودوں کا تذکرہ ہی کیا جاسکتا ہے:

حضرت مولوی حکیم نورالدین رضی اللہ عنہٗ

حضرت مولوی حکیم نورالدین رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے حضرتِ اقدس کی بیعت کی سعادت حاصل کی اور پھر اس قدر اخلاص میں بھی ترقی کی کہ ہر ایک مخلص کو اس میدان میں پیچھے چھوڑ گئے۔ حضور علیہ السلام نے بھی جب فرداً فرداً اپنے روحانی بھائیوں کا ذکر کیا تو سب سے اوّل آپؓ کا ہی کیا۔ فرمایا: "سب سے پہلے میں اپنے ایک روحانی بھائی کے ذکر کرنے کے لئے جوش پاتا ہوں جن کا نام اُن کے نورِ اخلاص کی طرح نُور دین ہے۔ میں اُن کی بعض دینی خدمتوں کو جو اپنے مالِ حلال کے خرچ سے اعلائے کلمۂ اسلام کے لئے وہ کر رہے ہیں ہمیشہ حسرت کی نظر سے دیکھتا ہوں کہ کاش وہ خدمتیں مجھ سے بھی ادا ہوسکتیں۔ اُن کے دل میں جو تائیدِ دین کے جوش بھرا ہے اُس کے تصوّر سے قدرتِ الٰہی کا نقشہ میری آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے کہ وہ کیسے اپنے بندوں کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ وہ اپنے تمام مال اور تمام زور اور تمام اسبابِ مقدرت کے ساتھ جو اُن کو میسّر ہیں ہر وقت اللہ رسولؐ کی اطاعت کے لئے کھڑے ہیں اور تجربہ سے، نہ صرف حُسنِ ظن سے یہ علم صحیح رکھتا ہوں کہ انہیں میری راہ میں مال کیا بلکہ جان اور عزّت تک دریغ نہیں اور اگر میں اجازت دیتا تو وہ سب کچھ اس راہ میں فدا کر کے اپنی روحانی رفاقت کی طرح جسمانی رفاقت اور ہر دم صحبت میں رہنے کا حق ادا کرتے ......

مولوی صاحب ممدوح کا صدق اور ہمّت اور اُن کی غمخواری اور جانثاری جیسے اُن کے قال سے ظاہر ہے اُس سے بڑھ کر اُن کے حال سے اُن کی مخلصانہ خدمتوں سے ظاہر ہو رہا ہے اور وہ محبت اور اخلاص کے جذبۂ کاملہ سے چاہتے ہیں کہ سب کچھ، یہانتک کہ اپنے عیال کی زندگی بسر کرنے کی ضروری چیزیں بھی اس راہ میں فدا کر دیں۔ اُن کی روح محبت کے جوش اور مستی سے اُن کی طاقت سے زیادہ قدم بڑھانے کی تعلیم دے رہی ہے اور ہر دم اور ہر آن خدمت میں لگے ہوئے ہیں"۔ (فتح اسلام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 37-34)

پھر فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک مخلص عطا فرمایا ہے جو میرے مددگاروں کی آنکھ ہے اور میرے اُن مخلص دوستوں کا خلاصہ ہے جو دین کے بارہ میں میرے دوست ہیں۔ اس کا نام اس کی نورانی صفات کی طرح نورالدین ہے...... وہ ہر ایک امر میں میری اس طرح پیروی کرتا ہے جیسے نبض کی حرکت تنفّس کی حرکت کی پیروی کرتی ہے اور میں اُس کو اپنی رضا میں فانیوں کی طرح دیکھتا ہوں"۔ (آئینہ کمالات اسلام عربی حصہ)

یہاں سیرت کے کئی پہلو حضورؑ نے بیان فرما دیئے جن میں نمایاں پہلو حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے والہانہ عشق اور آپ کی اطاعت ہے۔ حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب کا بیان ہے: "حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں جس قدر آدمی ہیں سب کو حضور علیہ السلام سے اپنے اپنے طریق پر محبت تھی مگر جس قدر ادب و محبت حضورؑ سے حضرت خلیفہ اوّل کو تھی اُس کی نظیر تلاش کرنی مشکل ہے۔ چنانچہ ایک دن میں حضرت مولوی صاحب کے پاس بیٹھا تھا۔ وہاں ذکر ہوا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کسی دوست کو اپنی لڑکی کا رشتہ کسی احمدی سے کر دینے کیلئے فرمایا مگر وہ دوست راضی نہ ہوا۔ اتفاقاً اُس وقت مرحومہ امۃ الحیٔ (آپؓ کی صاحبزادی) بھی جو اس وقت بہت چھوٹی تھیں کھیلتی ہوئی سامنے آ گئیں۔ حضرت مولوی صاحبؓ اُس وقت اُس دوست کا ذکر سُن کر جوش سے فرمانے لگے کہ مجھے تو اگر مرزا کہے کہ اپنی لڑکی کو نہالی (ایک نوکرانی) کے لڑکے کو دیدو تو میں بغیر کسی انقباض کے فوراً دیدوں گا۔ یہ کلمہ سخت عشق و محبت کا تھا۔ مگر نتیجہ دیکھ لو بالآخر وہی لڑکی حضور علیہ السلام کی بہو بنی اور اُس شخص کی زوجیت میں آئی جو خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا حسن و احسان میں نظیر تھا"۔ (حیات نور صفحہ 188-187)

محترم جناب حکیم محمد صدیق صاحب آف میانی فرماتے ہیں کہ "ایک دفعہ جب آپؓ مطب میں بیٹھے تھے ارد گرد لوگوں کا حلقہ تھا۔ایک شخص نے آ کر کہا کہ مولوی صاحب حضورؑ یاد فرماتے ہیں۔یہ سنتے ہی اس طرح گھبراہٹ کے ساتھ اُٹھے کہ پگڑی باندھتے جاتے تھے اور جوتا گھسیٹتے جاتے تھے گویا دل میں یہ تھا کہ حضور کے حکم کی تعمیل میں دیر نہ ہو۔پھر جب خلیفہ ہو گئے تو اکثر فرمایا کرتے تھے کہ"تم جانتے ہو نورالدین کا یہاں ایک معشوق ہوتا تھا جسے مرزا کہتے تھے۔نورالدین اُس کے پیچھے یوں دیوانہ وار پھرا کرتا تھا کہ اُسے اپنے جوتے اور پگڑی کا بھی ہوش نہیں ہوا کرتا تھا"۔(حیات نور صفحہ 188)

قادیان میں قیام سے قبل حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ نے بھیرہ میں ایک عالیشان مکان کی تعمیر کا آغاز کر رکھا تھا۔تعمیر کے دوران سامان خریدنے کی غرض سے لاہور تشریف لائے تو جی چاہا کہ قادیان نزدیک ہے حضرتِ اقدس سے بھی ملاقات کر لیں۔ بٹالہ سے فوری واپسی کی شرط سے کرایہ کا یکّہ لیا۔جب حضرت اقدسؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو قبل اس کہ آپؓ واپسی کی اجازت مانگتے، حضورِ انورؑ نے خود ہی دورانِ گفتگو فرمایا کہ اب تو آپؓ فارغ ہو گئے۔آپؓ نے عرض کیا: ہاں حضور! اب تو میں فارغ ہی ہوں۔یکّے والے سے کہہ دیا کہ اب تم چلے جاؤ آج اجازت لینا مناسب نہیں۔کل پرسوں اجازت لیں گے۔اگلے روز حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ مولوی صاحب آپؓ کو اکیلے رہنے میں تو تکلیف ہو گی آپ اپنی ایک بیوی کو بلوا لیں۔آپؓ نے حسب ارشاد بیوی کو بلانے کا خط لکھ دیا اور مکان کی تعمیر کا کام بند کروا دیا۔جب بیوی آ گئیں تو حضرت اقدسؑ نے فرمایا آپؓ کو کتابوں بڑا شوق ہے لہٰذا کتب خانہ بھی منگوا لیں۔......پھر ایک موقعہ پر فرمایا کہ مولوی صاحب آپ اپنے وطن بھیرہ کا خیال بھی دل میں نہ لاویں۔ حضرت مولوی صاحبؓ فرمایا کرتے تھے کہ میں دل میں بہت ڈرا کہ یہ تو ہو سکتا ہے میں وہاں کبھی نہ جاؤں مگر یہ کس طرح ہو گا کہ میرے دل میں بھی بھیرہ کا خیال نہ آوے مگر آپؑ فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے بھی عجیب تصرفات ہوتے ہیں میرے واہمہ اور خواب میں بھی مجھے وطن کا خیال نہ آیا۔پھر تو ہم قادیان کے ہو کر رہ گئے۔(حیات نور صفحہ 185-184)

کیا جذبہ اطاعت و محبت ہے! کیا جانثاری ہے! اتنا بھی عرض نہیں کیا کہ مجھے اجازت دی جائے کہ کام سمیٹ آؤں۔اسی لئے تو مسیح الزمان نے فرمایا تھا اگر ہم مولوی صاحب کو آگ میں کودنے یا پانی میں چھلانگ لگانے کو کہیں تو وہ انکار نہ کریں گے۔

حضرت صوفی احمد جان صاحب لدھیانویؓ

صدق، اخلاص اور محبت اور اطاعت میں سرشار ایک روح۔آپؓ بھی اخلاص کا پیکر تھے اور یہ عقیدت اور محبت بہت ابتدائی زمانہ سے تھی۔اُن کی نگاہِ اخلاص نے حضرتِ اقدس کی صداقت کو شناخت کیا اور اس کا برملا اظہار کر کے آپؑ کے مصدق ٹھہرے۔ آپؓ نے جب پہلی مرتبہ حضرت مسیح موعودؑ کی تصنیفِ لطیف براہین احمدیہ مطالعہ کی تو اپنی دور بین نگاہ اور خداداد نورِ فراست سے حضورؑ کا مقام اور عالی مرتبہ فوراً بھانپ گئے اور ہزار جان سے فریفتہ ہو کر پکار اٹھے

ہم مریضوں کی ہے تمہی پہ نظر   تم مسیحا بنو خدا کے لئے

آپؓ دہلی کے رہنے والے تھے اور 1857ء کے مفسدہ ایام میں لدھیانہ آ کر آباد ہوئے۔آپؓ نہایت بزرگوار، خوبصورت، خوب سیرت اور صاف باطن تھے۔متقی، باخدا اور متوکل انسان تھے۔ایک کثیر جماعت کے پیشوا تھے اور اُن کے مریدوں میں آثارِ رشد و سعادت و اتباعِ سنت نمایاں تھے۔اگر چہ آپؓ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سلسلہ بیعت شروع ہونے سے پہلے ہی فوت ہو گئے لیکن حضرت اقدسؑ سے دوستی اور محبت کا تعلق رکھتے تھے۔اکثر اُن کے مریدوں نے اشارۃً اور صراحتاً بھی انہیں سمجھایا کہ آپؓ کی اس میں کسرِ شان ہے مگر آپؓ نے صاف جواب دیدیا کہ مجھے کسی شان سے غرض نہیں اور نہ مجھے مریدوں سے کچھ غرض ہے۔براہینِ احمدیہ کی اشاعت کے بعد اگر کوئی مرید ہونے کو آتا تو آپؓ فرماتے: "سورج نکل آیا ہے اب تاروں کی ضرورت نہیں۔جاؤ حضرت صاحب کی بیعت کرو۔(انعامات خداوند کریم مولفہ پیر افتخار احمد صاحب صفحہ 7)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نہایت محبت سے آپؓ کا ذکر یوں فرمایا ہے:
"حبّی فی اللہ منشی احمد جان صاحب مرحوم اس وقت ایک نہایت غم سے بھرے دل کے ساتھ یہ پُر درد قصہ مجھے لکھنا پڑا کہ اب یہ ہمارا پیارا دوست اس عالم میں موجود نہیں ہے اور خداوند کریم و رحیم نے بہشتِ بریں کی طرف بلا لیا انا للہ وانا الیہ راجعون وانا بفراقہ لمحزونون۔حاجی صاحب ایک جماعتِ کثیر کے پیشوا تھے...... اگر چہ حضرت موصوف اس عاجز کے سلسلہ بیعت سے پہلے ہی وفات پا چکے لیکن یہ امر اُن کے خوارق میں سے دیکھتا ہوں کہ اُنہوں نے بیت اللہ کے قصد سے چند روز پہلے اس عاجز کو ایک خط ایسے انکسار سے لکھا جس میں اُنہوں نے درحقیقت اپنے تئیں اپنے دل میں سلسلہ بیعت میں داخل کر لیا......آپؓ کا صاحبزادہ کلاں حاجی افتخار احمد صاحب آپؓ کے قدم پر اس عاجز سے کمال درجہ کا اخلاص رکھتے ہیں اور آثارِ رشد و اصلاح و تقویٰ اُن کے چہرے پر ظاہر ہیں۔وہ باوجود متوکلانہ گذارا کے اوّل درجہ کی خدمت کرتے ہیں اور دل و جان کے ساتھ اس راہ میں حاضر ہیں۔خدا تعالیٰ اُن کو ظاہری اور باطنی برکتوں سے متمتع کرے"۔(ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 529-528)

حضرت مولوی عبد الکریم سیالکوٹیؓ

صدق سے بھری ایک اور روح اطاعت و محبت اور خدمت دین میں سرشار وجود مولوی عبدلکریم صاحب سیالکوٹی ابتدائی صحابہ میں سے ہیں۔آپ عین جوانی میں دنیوی خواہشات و علائق کو ترک کر کے ہمیشہ کے لئے اپنے آقا کے قدموں میں آ گئے اور پھر انتہا درجہ کی دینی خدمت میں مصروف رہے یہاں تک کہ اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔اس محبِ خالص خادم کی اور اُس کے شفیق آقا کی باہمی محبت کا بھی عجیب رنگ نظر آتا ہے جس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا طریق تھا کہ مغرب کی نماز کے بعد آپ ہمیشہ مسجد میں رونق افروز ہوتے اور اپنے خدام سے گفتگو فرمایا کرتے تھے۔لیکن حضرت مولوی عبد الکریم صاحبؓ کی وفات کے بعد آپؑ علیہ السلام نے مسجد میں بیٹھنا چھوڑ دیا۔جب کسی نے عرض کیا کہ حضور اب آپ کیوں نہیں بیٹھتے تو فرمایا: مولوی عبد الکریم کی جگہ خالی دیکھ کر مجھے تکلیف ہوتی ہے۔

حضرت مولوی صاحبؓ چونکہ حضرت مولوی نور الدینؓ کے ذریعہ امام الزمانؑ کی صحبت میں آئے تھے اس لئے حضور علیہ السلام نے مولوی نور الدینؓ کے ہاتھ میں مولوی عبدالکریم صاحبؓ کا ہاتھ رکھا اور ہر دو کو اپنے ہاتھ میں لے کر بیعت کے الفاظ کہلوائے۔

اوائل میں آپؓ سیّد احمد کے معتقد تھے اور اُن کے خیالات کے اثر کے ماتحت طبیعت میں کسی قدر نیچریت کی طرف میلان تھا مگر حضورؑ کی صحبت میں آ کر یہ اثر آہستہ آہستہ ڈھل گیا اور پھر آپ کی محبت میں ایسے گم ہوئے کہ حضورؑ فرماتے ہیں: "اگر ہم دن کو کہتے کہ ستارے ہیں اور رات کو کہتے کہ سورج ہے تو وہ کبھی مخالفت کرنے والے نہ تھے۔ اُن کو ہمارے ساتھ ایک پورا اتحاد اور پوری موافقت حاصل تھی۔کسی امر میں ہمارے

ساتھ خلافِ رائے کرنا وہ کفر سمجھتے تھے۔'' (البدر 12 جنوری 1906ء)۔ نیز فرمایا: اُن کی عمر ایک معصومیت کے رنگ میں گذری اور دنیا کی عیش کا کوئی حصّہ انہوں نے نہیں لیا۔ آپؓ کو ایک نوکری دوسو روپے ماہوار ملتی تھی لیکن صاف انکار کر دیا اور اصحاب الصفہ میں سے ہو کر ساری زندگی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ گذار دی۔ (ملفوظات جلد 4)۔

آپؓ ایک جیّد عالم، بہت بڑے مقرر تھے اور آواز نہایت بلند اور دلکش تھی۔ آپؓ کی زبان نہایت فصیح اور زوردار اور ہر لفظ اثر میں ڈوبا ہوا نکلتا تھا۔ آپؓ کو جلسہ مذاہبِ عالم میں وہ مضمون پڑھنے کا بھی شرف حاصل ہوا جس کے بارہ میں خدا تعالیٰ نے الہاماً حضرت مسیح موعودؑ کو بتا دیا تھا کہ ''مضمون بالا رہا''۔ آپؓ ساری عمر امام الصلوٰۃ اور خطیب رہے۔ 47 سال کی عمر میں وفات پائی تو آپؓ کے سنگِ مزار پر حضرت مسیح موعودؑ نے جو فارسی نظم تحریر کروائی اُس سے آپؓ کے مقام کا اندازہ ہوسکتا ہے، فرمایا: ''مولوی عبدالکریم مرحوم کی خوبیاں کس طرح بیان کی جائیں۔ وہ عبدالکریم جس نے دین کے رستہ میں شجاعت اور بہادری کے ساتھ لڑتے ہوئے جان دی ہے وہ دین کا ایک زبردست پہلوان تھا جس کا نام خود خدا نے اپنے ایک الہام میں مسلمانوں کا لیڈر رکھا تھا۔ وہ حق کے اسرار کا راز دار تھا اور دینی معارف کا ایک خزانہ تھا۔ اگرچہ اس آسمان کے نیچے بڑے بڑے لوگ پیدا ہوئے ہیں مگر اس آب و تاب کا موتی بہت کم دیکھنے میں آیا ہے۔ اس قسم کے یک رنگ دوست کی جدائی سے دل میں درد اٹھتا ہے لیکن ہم اپنے خدا کے ہر فعل پر ہر حال میں راضی اور شاکر ہیں''۔ (البدر جلد 1 نمبر 28۔ 1905ء۔ ماخوذ از سلسلہ احمدیہ)

حضرت پیر منظور محمد صاحبؓ

حضرت صوفی احمد جان صاحبؓ کا ذکر گذرا ہے مناسب ہوگا کہ آپ کے صاحبزادے حضرت صاحبزادہ پیر منظور محمد صاحب کا بھی ذکر کیا جائے۔ آپؓ نے نہایت نیک ماحول میں اپنی عمر کی ابتدائی منازل طے کیں۔ آپؓ خدا تعالیٰ کی ہستی پر گہرا اور عارفانہ یقین رکھتے تھے۔ آپؓ نے 1884ء میں پہلی بار لدھیانہ میں حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ 6 فروری 1892ء کو حضرت اقدسؑ کے متبعین میں شامل ہونے کی سعادت پائی۔ آپؓ کا نام حضرت اقدسؑ نے اپنے رفقاء خاص 313 میں شامل فرمایا۔ آپؓ نے محض حضرت اقدسؑ کی تصانیف کے لئے کتابت سیکھی۔ حضور اقدسؑ کی بہت سی کتابوں کے پہلے ایڈیشن آپؓ ہی کے قلم سے لکھے ہوئے ہیں اور بہت دیدہ زیب اور نفیس ہونے کے علاوہ نہایت صاف اور دلکش ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپؓ کی اس خدمت کا بڑی محبت سے ذکر فرمایا ہے: ''بطور شکر احسان باری تعالیٰ کے اس بات کا ذکر کرنا واجبات سے ہے کہ میرے اہم کام تحریر تالیفات میں خدا تعالیٰ کے فضل نے مجھے ایک عمدہ اور قابل قدر مخلص دیا ہے یعنی عزیزی میاں منظور محمد کاپی نویس جو نہایت خوشخط ہے۔ جو نہ دنیا کے لئے بلکہ محض دین کی محبت سے کام کرتا ہے اور اپنے وطن سے ہجرت کر کے اس جگہ قادیان میں اقامت اختیار کی ہے اور یہ خدا تعالیٰ کی بڑی عنایت ہے کہ میری مرضی کے موافق ایسا مخلص سرگرم مجھے میسّر آیا ہے کہ میں ہر وقت دن کو یا رات کو کاپی نویس کی خدمت اس سے لیتا ہوں۔ اور وہ پوری جانفشانی سے خدا تعالیٰ کی رضامندی کے لئے اس خدمت کو انجام دیتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ اس روحانی جنگ کے وقت میری طرف سے دشمنوں کو شکست دینے والے رسالوں کے ذریعہ تابڑ توڑ مخالفوں پر فیر ہو رہے ہیں''۔ (مجموعہ اشتہارات۔ اشتہار 4 اکتوبر 1899ء)

آپؓ میں انفاق فی سبیل اللہ کا وصف بہت نمایاں تھا۔ قاعدہ یسرنا القرآن کی مقبولیت کی وجہ سے سینکڑوں روپے ماہوار آپؓ کی آمد تھی لیکن آپؓ کی مالی قربانی کا یہ حال تھا کہ صرف 30 ماہوار اپنے اخراجات کے لئے رکھتے اور باقی سب اشاعتِ قرآن کیلئے دیدیتے۔ ایک سال میں دس ہزار روپیہ خدمتِ دین کیلئے دیا۔ اپنی ذات کے لئے سادگی اور دین کے لئے قربانی کا جذبہ اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ اسی میں تسکین اور لذّت پاتے اور خود کو فراموش کئے ہوئے ہوتے۔ اُن کی زندگی ایک ایسا رنگ رکھتی تھی کہ وہ دنیا میں رہتے ہوئے اس میں نہ تھے۔

حضرت مولوی غلام رسول راجیکی صاحبؓ

ایک صاحب الرؤیا، صاحبِ کرامات 1877ء میں موضع راجیکی ضلع گجرات میں پیدا ہوا جس کی پیدائش سے پہلے اس کی والدہ نے رؤیا میں دیکھا کہ گھر میں چراغ روشن ہوا ہے جس کی ضیاء سے تمام گھر جگمگا اٹھا ہے۔ خدا تعالیٰ نے آپؓ کو الہاماً مولوی غلام رسول، جوان، صالح، کراماتی کے القاب عطا فرمائے۔ آپؓ 1897ء میں حضرت اقدسؑ کی تحریری بیعت میں آئے اور دو سال بعد 1899ء میں خود دیارِ حبیب پر پہنچے اور دستی بیعت سے مشرّف ہوئے۔ آپؓ کو امام وقت کی مجلس میں بیٹھ کر مسیح زمان کے پاؤں دابنے کی بھی سعادت حاصل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپؓ کو گہرا علم اور سچی معرفت عطا فرمائی تھی اور آپؓ کی تقاریر دلوں پر جادو اثر ہوا کرتی تھیں۔ 1904ء میں حضرت اقدسؑ سیالکوٹ تشریف لے گئے۔ حضور انورؑ کی تقریر سے ایک روز قبل ابھی کھانے کی تیاری میں وقت تھا منتظمین نے چاہا کہ کوئی عالم تقریر کریں۔ چنانچہ حضرت مولوی صاحبؓ سے کہا گیا۔ آپؓ نے سورۃ فاتحہ کے معارف بیان کئے۔ تقریر کے بعد حضرت خلیفہ اوّلؓ نے خوش ہو کر فرمایا میں تو سمجھتا تھا کہ نور الدین دنیا میں ایک ہی ہے مگر اب معلوم ہوا کہ ہمارے مرزا نے تو کئی نور الدین پیدا کر دیئے ہیں۔ (حیات قدسی حصہ دوم صفحہ 33)

آپؓ کی سیرت کا ایک نمایاں پہلو تعلق باللہ ہے۔ آپکو متعدد بار اللہ تعالیٰ کی رؤیت نصیب ہوئی اور قریباً تیس دفعہ آنحضرت ﷺ کی زیارت سے مشرّف ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؓ پر مستقبل قریب و بعید کے بہت سے راز ظاہر ہوئے۔ آپؓ کی قبولیتِ دعا کے کئی واقعات ہیں۔ آپؓ فرماتے ہیں: ''موضع گدھو ضلع گجرات میں ایک دفعہ میں دعوت الی اللہ کے لئے گیا۔ گاؤں کے نمبردار اور مولوی نے میرے قتل کا منصوبہ بنایا اور سات جوان میرے پیچھے لگا دیئے مگر میں تیز چلتا ہوا واپس گاؤں آ گیا۔ یہ حالت دیکھ کر میں نے الحاح سے دعا مانگی کہ کیا یہ لوگ مجھے تیرے مسیح کی دعوت سے روک دیں گے۔ تب میرا غریب نواز خدا مجھ سے ہم کلام ہوا اور نہایت راحت اور رحمت سے فرمانے لگا ''وہ کون ہے جو تجھے دعوت الی اللہ سے روکنے والا ہے۔ اللہ بخش نمبردار کو میں آج سے گیارویں دن قبر میں ڈال دوں گا''۔ اگلی صبح میں نے اس خبر کو لوگوں میں پھیلا دیا حتیٰ کہ یہ خبر قریبی چکوک تک پھیل گئی۔ تقدیر خداوندی سے نمبردار ذات الجنب اور خونی اسہالوں سے بیمار ہو گیا اور عین گیارھویں دن دنیائے فانی سے کوچ کر گیا۔ (حیات قدسی حصہ اول صفحہ 23)

ڈاکٹر سیّد محمد حسین شاہ صاحب کا بیٹا بیمار ہو گیا حتیٰ کہ ماہر ڈاکٹر بھی اس کی صحت سے مایوس ہو گئے اور اس کی حالتِ نزع دیکھتے ہوئے ڈاکٹر صاحب اس کے کفن دفن کا انتظام کرنے چلے گئے۔ ڈاکٹر صاحب کی اہلیہ نے بڑے الحاح کے ساتھ مجھے دعا کے لئے کہا۔ میں نے حضرت خلیفہ اوّل کے قبولیتِ دعا کے گُر کو یاد کرتے ہوئے باہر جا کر ایک غریب عورت کو ایک روپیہ صدقہ دیا اور اسے کہا کہ صدقہ قبول کرو اور مریض کے لئے دعا

کرو۔ واپس آ کر میں نماز میں مشغول ہو گیا اور سورۃ فاتحہ کے الفاظ کو خدا تعالیٰ کی خاص توفیق سے حصولِ شفاء کے لئے رقّت اور تضرّع سے پڑھا، اس وقت میری آنکھیں اشکبار اور دل رقّت سے بھرا ہوا تھا۔ پہلی رکعت میں سورۃ یٰسین پڑھی اور ابھی سجدہ میں تھا کہ بچہ چارپائی پر اُٹھ بیٹھا اور باتیں کرنے لگا''۔ (حیاتِ قدسی حصہ پنجم صفحہ 32)

حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ

آپؓ بھی بستانِ احمدؑ کے ایک خوبصورت اور مہکتے ہوئے پھول تھے۔ 1897ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دستِ مبارک پر بیعت کا شرف حاصل کیا۔ آپؓ بڑے ہی سادہ اور بے نفس انسان تھے۔ آپؓ کی سادگی اور نیک مزاجی کے باعث حضورؑ کو بھی آپؓ سے محبت ہو گئی۔ آپؓ بچپن میں بہت کمزور تھے اور بیمار رہتے تھے۔ لیکن حضرت اقدس کی دعاؤں کے طفیل آپؓ بہترین صحت سے ہمکنار ہوئے اور ایک لمبا عرصہ خدمتِ دین کی توفیق پائی۔ ایک دفعہ نماز کے بعد آپؓ مسجد میں لیٹے ہوئے تھے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے آپؓ کا بازو پکڑ کر فرمایا: ''میں تب خوش ہوں گا جب شیر علی کا بازو اس سے دوگنا موٹا ہو جائے گا''۔ پھر آپؓ کو تاکید فرمائی: ''شیر علی دودھ بہت پیا کرو''۔ حضورِ انور کے ارشاد پر آپؓ نے پورے استقلال سے عمل شروع کر دیا اور چوبیس گھنٹوں میں آپؓ سولہ سیر تک دودھ پی لیا کرتے تھے۔

حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ کو حضرت اقدس سے والہانہ عشق تھا۔ حضرت علامہ حافظ سیّد مختار احمد شاہجہانپوریؓ بیان فرماتے ہیں: ایک دن غالباً جمعہ یا عید کا دن تھا کہ حضرت مولوی شیر علی صاحب بعد میں آئے اور جوتیوں میں بیٹھ گئے۔ وہیں حضرت مسیح موعودؑ کی گرگابی پڑی ہوئی تھی۔ آپؓ نے گرگابی ہاتھ میں لے لی اور اپنی پگڑی سے صاف کرنے لگے۔ اللہ اللہ کیسا عشق ہے!۔

جب آپؓ تعلیم سے فارغ ہوئے تو ایک بہت اعلیٰ نوکری کی پیشکش ہوئی مگر آپؓ نے حضرت مسیح موعودؑ کے در کی غلامی کو ترجیح دی اور زندگی وقف کر کے قادیان حاضر ہو گئے۔ بے نفسی اور عاجزی کا یہ حال کہ جلسوں میں یا مسجدوں میں حاضر ہوتے تو اکثر جوتیوں میں ہی بیٹھ جایا کرتے تھے۔ سلام کرنے میں پہل کرنے والے تھے۔ بڑے ہو کر چھوٹوں کا ادب کرنے والے۔ جب بھی کسی نے دعا کیلئے کہا فوراً دعا کی۔ قرآنِ کریم کا انگریزی زبان میں ترجمہ آپؓ کا عظیم الشان کام ہے۔ اہلِ علم مبصّرین کہتے ہیں کہ مولوی شیر علی صاحب سے بہتر ترجمہ قرآنِ کریم کا کسی کو کرنے کی توفیق نہیں ملی۔

آپؓ کی سیرت کا خلاصہ یہ ہے کہ تصوف اور اصلاحِ نفس کا مجاہدہ ان کی زندگی تھی۔ ہر حرکت اور ہر معاملہ محبت الٰہی کے رنگ میں ہی رنگیں رضائے الٰہی کی تمنّا کو ظاہر کرتا تھا۔ دعاؤں میں انتہائی شغف تھا۔ عبادات میں ایسی لذّت کہ گویا روح ہر وقت آستانہ الٰہی کی طرف شوق سے جھکی رہتی۔ اس طرح رسول کریم ﷺ سے بے انتہا محبت تھی اور آنحضرت ﷺ کے ارشادات کا مکمل عکس آپؓ کی ہر حرکت و سکون میں نظر آتا تھا۔ جذبہ خدمت بھی کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ حضرت مولوی راجیکی صاحب فرماتے ہیں کہ ایک رات ہمیں اکٹھے ایک مکان میں رہنے کا اتفاق ہوا۔ سحری کے وقت جب میری آنکھ کھلی تو مولوی صاحب موصوف پانی کا لوٹا لئے میرے سرہانے کھڑے ہیں۔ میں نے آپؓ سے پوچھا کہ آپؓ نے یہ تکلیف کیوں اٹھائی تو مولوی صاحب نے نہایت سادگی سے فرمایا میں نے خیال کیا آپ کو وضو کرنا ہوگا، میں ہی آپ کو پانی لا دوں۔ چنانچہ جب حوائج ضروریہ سے فارغ ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ مولوی صاحب میرے لئے پانی کا دوسرا لوٹا لئے کھڑے میرا انتظار کر رہے ہیں۔

میاں عبدالمنان عمر صاحب نے بیان کیا ہے کہ حضرت مولوی صاحب کے کمرہ میں کچھ دن رہنے کا اتفاق ہوا۔ ایک دفعہ سردی زیادہ تھی جب میں اپنے بستر پر سونے کے لئے لیٹا تو حضرت مولوی صاحب نے اپنا کمبل میرے لحاف کے اوپر ڈال دیا کہ سردی بہت ہے۔ حالانکہ اُس وقت کمبل کی ضرورت آپؓ کو زیادہ تھی۔ میں نے عرض کی کہ مولوی صاحب آپ استعمال فرمائیں لیکن مولوی صاحب نہ مانے۔ جب میں نے محسوس کیا کہ مولوی صاحب سو گئے ہیں تو میں نے آرام سے کمبل اُن کے اوپر ڈال دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب میری آنکھ کھلی تو وہ کمبل میرے اوپر تھا۔

یہ انداز آپؓ نے اپنے مطاع مسیح موعودؑ سے سیکھے تھے جو اپنے مریدوں کی چھوٹی چھوٹی ضروریات کا خیال رکھتا۔ خود نیچے سوتا اور مرید چارپائی پر۔ مریدوں کو سردی سے بچانے کے لئے اپنا لحاف دیدیتا اور خود سردی میں رات بسر کر دیتا۔ دودھ کا پیالہ لے کر رات کو اپنے مریدوں کے پاس جاتا کہ مبادا دودھ کی عادت نہ ہو۔

حضرت حافظ معین الدین صاحبؓ

حضرت حافظ معین الدین صاحبؓ کو ایک دن حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا: حافظ صاحب آپ میرے پاس آ جائیں۔ آپؓ نے سمجھا کہ شاید مجھے گھر میں کسی نوکری کے لئے رکھنا چاہتا ہے۔ کہا مرزا صاحب میں کیا کر سکتا ہوں۔ فرمایا کام کوئی نہ کرنا۔ آپ قرآن حفظ کیا کرنا اور ہم اکٹھے نماز پڑھا کریں گے۔ کبھی یہ حضور کے پیچھے نماز پڑھتے اور کبھی حضور حافظ صاحب کو امام بنا کر اُن کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں آنے والا یہ وجود ساری ساری رات نماز پڑھا کرتا۔ اُس کے پاؤں سوج جاتے۔ سوال نہ کرتا، توت کے پتے کھا کر گذارا کر لیتا۔ جب حضرت امام الزمان نے تحریک فرمائی کہ ہر شخص وعدہ کرے کہ آئندہ اشاعتِ اسلام کے لئے کچھ نہ کچھ دیا کرے تو حافظ صاحب نے ایک کاپی بنالی۔ چندہ دیتے تو اس پر لکھوا لیتے اور باقاعدہ مالی قربانی میں حصّہ لیتے رہے۔ اگر حضرت مسیح موعودؑ فرماتے کہ اسے آپ رکھیں، ضرورت کے وقت کام آئے گا۔ تو فرماتے: حضور مجھے کیا ضرورت ہے۔ آپ اشاعتِ اسلام میں خرچ کر لیں۔

سرما کی ایک رات تھی اور بارش بھی۔ قادیان کی گلیوں میں کیچڑ تھا۔ حضرت شیخ یعقوب علی عرفانیؓ فرماتے ہیں کہ عشاء کے بعد کیچڑ میں کسی کے چلنے کی آواز آئی تو میں نے پوچھا کہ کون ہے۔ کہا حافظ معین۔ کہنے لگے آج بارش ہوئی تھی میرے پاس روٹیاں آئی تھیں۔ یہاں ایک کُتیا نے بچے دیئے تھے میں نے کہا روٹی ڈال آؤں۔

حضرت منشی اروڑے خان صاحبؓ

آپؓ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعا سے نقشہ نویس سے ترقی کرتے ہوئے تحصیلدار کے عہدہ تک پہنچے اور پھر قادیان کی ایک کوٹھڑی میں اس طرح گذارا کرتے کہ کوئی کہہ نہیں سکتا تھا کہ کبھی تحصیلدار تھے۔ آپ کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا: ''منشی صاحب محبت اور خلوص اور ارادت میں زندہ دل آدمی ہیں۔ سچائی کے عاشق اور سچائی کو بہت جلد سمجھ جاتے ہیں...... وہ تو دن رات اس فکر میں لگے رہتے ہیں کہ کوئی خدمت مجھ سے صادر ہو جائے۔ عجیب جانثار آدمی ہے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ اُن کو اس عاجز سے ایک نسبتِ عشق ہے۔ شاید اُن کو اس سے بڑھ کر اور کسی بات میں خوشی نہیں ہوتی ہوگی کہ اپنی طاقتوں اور اپنے مال اور اپنے وجود کی ہر ایک توفیق سے کوئی

خدمت بجالاویں۔ وہ دل و جان سے وفادار اور مستقیم الاحوال اور بہادر آدمی ہیں۔ خدا تعالیٰ اُن کو جزائے خیر بخشے"۔ (ازالہ اوہام حصہ دوم صفحہ 532)

حضرت مسیح موعودؑ سے انہیں جو عشق تھا اس کے متعلق حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں کہ حضرت مسیح موعودؑ کی وفات کے بعد کسی نے دروازہ پر دستک دی۔ میں باہر آیا تو منشی اروڑے خان صاحبؓ تھے۔ مجھے دیکھتے ہی یوں رونے لگے جیسے کوئی بکرا ذبح کیا جار ہا ہو۔ میں گھبرا گیا، پوچھا کیا بات ہے؟ کہنے لگے حضرت مسیح موعودؑ کے زمانے میں بہت تھوڑی سی تنخواہ ہوتی تھی۔ میں دیکھتا کہ مالدار صحابی آتے اور حضور کی خدمت میں بڑے بڑے نذرانے پیش کرتے۔ میں نے کہا کہ اگر مجھے توفیق ہوتی تو کبھی سونے کا سکہ پیش کروں۔ میں نے پیسے جمع کرنے شروع کر دیئے اور بالآخر ایک پونڈ (سونے کا سکہ) خرید لیا۔ میں نے سوچا ایک کافی نہیں کم از کم دو تو ہوں اور میں نے پیسے اکٹھے کرنے شروع کئے اور ابھی دوسرے پونڈ کے لئے پیسے جمع نہ ہوئے تھے کہ حضور اس دنیا میں نہ رہے۔ میری طرف سے جا کر حضرت ام المومنینؓ کو دیدو۔

حضرت صاحبزادہ عبد اللطیف شہید رضی اللہ عنہ

آپ ایسا پاک وجود تھے جس نے اپنے محبوب حقیقی کے لئے صدق وصفا کا پاک نمونہ دکھلایا اور راہِ مولیٰ میں اپنی جان کا بھی نذرانہ پیش کر دیا۔ اُس وجود کے سامنے دنیا کی نعمتیں اور آسائشیں تھیں مگر اُس نے خدا تعالیٰ کی محبت کو ترجیح دی اور راہِ حق میں جان قربان کرنے کو مقدّم جانا۔ حضرت اقدس علیہ السلام کی تاثیراتِ قدسیہ سے یہ وجود لقائے الٰہی حاصل کرنے کا موجب بنا اور ہمیشہ کی ابدی اور لازوال حیات پا گیا۔ آپؓ کی قربانی تاریخ احمدیت کو حسن بخشنے والی وہ داستان خاک وخون ہے جس پر بلا شبہ ہر آنے والی نسل فخر کرے گی اور قرونِ اولیٰ کی یاد تازہ ہوتی رہے گی۔

آپؓ نہایت بلند پایہ عالم باعمل تھے۔ نہایت صاحبِ عزت وعظمت، سخی، مہمان نواز اور صاحبِ کشف ورؤیا وجود تھے۔ شاہِ کابل کی نظروں میں بڑا مقام تھا۔ آپؓ کو سیّد چن بادشاہ کے ذریعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا علم ہوا۔ آپؓ کابل سے 1902ء میں حج کی غرض سے روانہ ہوئے اور لاہور میں وارد ہو کر حجاج پر بعض شدید قیود کے پیش نظر حج ملتوی کر دیا اور لاہور سے قادیان زیارت کے لئے تشریف لے آئے۔ آپؓ پیدل ہی بٹالہ سے قادیان پہنچے اور ظہر کی نماز کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ملاقات کی۔ اور پھر حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھ روزانہ چہل قدمی میں شامل ہوتے۔ آپؓ حضورؑ کے عشق میں وارفتہ ہوتے چلے گئے اور دن بدن آتشِ عشق آپ کے قلبِ صافی میں بھڑکتی چلی گئی۔ آپؓ کے شاگرد حضرت بزرگ صاحب فرماتے ہیں کہ جب بھی صاحبزادہ صاحب حضرت اقدسؑ کی مجلس میں بیٹھتے تو ان کی حالت اَور کی اَور ہو جایا کرتی تھی۔ آپ کو حضرت اقدس کے پاؤں دبانے کی بھی سعادت نصیب ہوئی۔

حضرت مسیح موعودؑ سے عشق اور محبت کے دو واقعات پیش ہیں۔ صاحبزادہ صاحب حضورؑ کے ساتھ روزانہ سیر کیلئے جاتے اور جب واپس آتے تو کافی وقت گذرنے کے بعد اپنے کپڑے جو سیر کے دوران غبار آلود ہو جاتے تھے جھاڑ کر صاف کرتے۔ ایک دفعہ دریافت کرنے پر کہ آپ واپس آ کر اتنی دیر کے بعد کیوں کپڑوں سے گرد وغبار جھاڑتے ہیں۔ آپؓ نے فرمایا کہ میں انتظار کرتا ہوں اور اندازہ لگاتا ہوں کہ اب حضورؑ نے اپنے کپڑے جھاڑ لئے ہوں گے، اس کے بعد میں اپنے کپڑے صاف کرتا ہوں۔ یہ نہیں چاہتا کہ حضور علیہ السلام سے پہلے کپڑے جھاڑ کر بے ادبی کا مرتکب بنوں۔

ایک دفعہ جب حضرت مسیح موعودؑ سیر سے واپس گھر تشریف لا رہے تھے تو صاحبزادہ صاحبؓ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: جنت سے ایک حُور خوبصورت لباس میں میرے سامنے آئی اور کہا کہ آپؓ میری طرف دیکھیں۔ میں نے کہا حضرت مسیح موعودؑ میرے ساتھ ہیں تو اُن کو چھوڑ کر تیری طرف ہرگز نہیں دیکھوں گا۔ تب وہ روتی ہوئی چلی گئی۔

کچھ ماہ قیام کے بعد جب واپسی کا عزم کیا تو حضرت مسیح موعودؑ اپنے صحابہ کے ساتھ قریباً ڈیڑھ میل تک رخصت کرنے کیلئے ساتھ گئے۔ رخصت ہونے لگے تو حضورؑ کے قدموں میں گر گئے اور دونوں ہاتھوں سے قدم پکڑ کر دعا کیلئے عرض کی۔ حضورؑ نے کمال شفقت اور محبت سے صاحبزادہ صاحب کو اٹھایا اور تسلی آمیز کلمات فرمائے۔

سیّدگاہ واپسی پر آپؓ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔ باوجود بار بار کی فہمائش کے کہ مرزا صاحب کا انکار کر دیں تو آپ کو اس سے بچا لیا جائے گا، اُس کوہِ وقار اور قوّتِ ایمانی سے پُر وجود نے کہا کہ جان کی کیا حقیقت ہے، میں حق کے لئے مروں گا۔ چنانچہ آپؓ نے ایسا پاک اور عظیم المرتبت نمونہ قائم کر دیا اور اس طرح دورِ ثانی کے صحابہ کو دورِ اوّل کے جانثاروں کے ساتھ ملا دیا۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی ایک فارسی نظم میں آپ کی اس جانثاری اور صدق وصفا کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: دیکھ کہ اُس پاک انسان عبداللطیف نے کس طرز سے خدا کے لئے اپنے تئیں فنا کر دیا۔ اُس نے وفاداری کے ساتھ اپنی جان اپنے محبوب کو دے دی اور اب تک وہ پتھروں کے نیچے دبا پڑا ہے۔ اُس جواں مرد اور خدا کے پیارے نے آخر کار اپنا جوہر ظاہر کر دیا۔ معشوق کے لئے نقد جان لٹا دی اور اِس فانی گھر سے دل کو ہٹا لیا (درّثمین فارسی)۔ پھر فرمایا "اے عبداللطیف! تیرے پر ہزاروں رحمتیں کہ تو نے میری زندگی میں ہی اپنے صدق کا نمونہ دکھایا۔ آپؑ نے اپنی جماعت کو مخاطب کر کے فرمایا: "عبداللطیف ایک اسوہ چھوڑ گئے ہیں جس کی اتباع جماعت کو کرنی چاہیے...... یہ اس قسم کی شہادت ہے کہ اُس کی نظیر تیرہ سو سال میں ملنی محال ہے۔ عام معمولی زندگی چھوڑنا محال ہوا کرتا ہے، حالانکہ اُن کی زندگی ایک تنعم کی زندگی تھی۔ مال، دولت، جاہ وثروت سب کچھ موجود تھا اور اگر وہ امیر کا کہنا مان لیتے تو اُن کی عزت اور بڑھ جاتی مگر انہوں نے ان سب پر لات مار کر اور دیدہ دانستہ بال بچوں کو چھوڑ کر موت کو قبول کیا۔ انہوں نے بڑا تعجب انگیز نمونہ دکھایا ہے اور اس قسم کے ایمان کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے کہ اس کتاب (تذکرۃ الشہادتین) کو بار بار پڑھیں اور فکر کریں اور دعا کریں کہ ایسا ہی ایمان حاصل ہو۔ صاحبزادہ عبداللطیف شہید کی شہادت کا واقعہ تمہارے لئے اسوہ حسنہ ہے...... دیکھو کہ اُس نے اپنے ایمان کا کیسا نمونہ دکھایا ہے۔ اُس نے دنیا اور اُس کے تعلقات کی کچھ بھی پرواہ نہیں کی۔ بیوی یا بچوں کا غم اُس کے ایمان پر کوئی اثر نہ ڈال سکا۔ دنیوی عزت اور منصب اور تنعم نے اُس کو بزدل نہیں بنایا۔ اُس نے جان دینی گوارہ کی مگر ایمان کو ضائع نہیں کیا۔ عبداللطیف کہنے کو مارا گیا یا مر گیا مگر یقیناً سمجھو کہ وہ زندہ ہے اور کبھی نہیں مرے گا۔ اگرچہ اُس کو بہت عرصہ صحبت میں رہنے کا اتفاق نہیں ہوا لیکن اس تھوڑی مدت میں جو وہ یہاں رہا اُس نے عظیم الشان فائدہ اٹھایا۔ اُس کو قسم قسم کے لالچ دیئے گئے کہ اُس کا مرتبہ ومنصب بدستور قائم رہے گا مگر اُس نے اس عزت افزائی اور دنیوی مفاد کی کچھ بھی پرواہ نہیں کی۔ ان کو ہیچ سمجھا یہاں تک کہ جان جیسی عزیز شئے کو جو انسان کو ہوتی ہے اُس نے مقدم نہیں کیا بلکہ دین کو مقدم کیا جس کا اُس نے خدا تعالیٰ کے سامنے وعدہ

صفحہ ۲۲ پر جاری ھے

دَورِ جدید میں تحصیل علم اور ایک احمدی کا فرض

(محمود احمد ملک)

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے منصب خلافت پر فائز ہونے کے بعد احمدیوں کو علم کے حصول کی طرف توجہ دینے کے لئے متعدد گرانقدر ارشادات سے نوازا ہے اور اپنے کئی خطبات و تقاریر میں احمدیوں کو عموماً اور جماعتی عہدیداران کو خصوصاً نصائح فرمائی ہیں کہ جماعت کے علمی معیار کو بلند کرنے کے لئے تمام موجود ذرائع سے استفادہ کیا جائے۔ زیرنظر مضمون میں اسی امر کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ حدیث مبارکہ کی رُو سے دنیا کا ہر مفید علم ہماری کھوئی ہوئی متاع ہے اور اس متاع کو حاصل کرنے کے لئے کسی احمدی کو اپنی عمر یا سمجھ کو روک نہیں بننے دینا چاہئے۔ ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ تحصیل علم کا دروازہ کسی انسان کے لئے کبھی بند نہیں ہوتا اور اس علم کے ذریعہ انسانی ترقیات کی سیڑھی ہمیشہ بلند سے بلند تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ اسی طرح اپنی نسلوں کو علم کی لَو لگا دینا بھی ہمارا فرض ہے۔ یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ سیدنا مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے اپنی دُوراندیش نگاہ سے دیکھتے ہوئے فرمایا تھا کہ اگر دنیا کے تمام بڑے بڑے علماء، سائنسدان، وکلاء اور دیگر علوم کے ماہرین احمدی ہوں تو دنیا میں جماعت کا وقار بلند ہوگا اور لوگ احمدیت کی بات سننے پر مجبور ہونگے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا فرض کماحقہٗ ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

دنیا کے جس دَور میں سے آج ہم گزر رہے ہیں، یہ سائنس اور ٹیکنالوجی کا ایسا ترقی یافتہ دَور ہے جس میں انسان نے نہ صرف بھلائی اور کارِخیر میں عظیم الشان کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں بلکہ اپنی تباہی کے سامان بھی اسی وحشت ناک انداز میں اکٹھے کر لئے ہیں۔ تاہم لطف کی بات یہ ہے کہ قرآن کریم نے ڈیڑھ ہزار سال قبل اس زمانہ کی ہوبہو تصویر کھینچ دی تھی اور آنحضور ﷺ کی متعدد احادیث میں اس دَور کی ایجادات، اقوام عالم کے حالات، نیز عوام اور خواص (یعنی علماء کہلانے کا دعویٰ کرنے والوں) کی سوچ کا انداز بھی بیان کر دیا گیا تھا اور رسول مقبول ﷺ نے ایسی نقشہ کشی فرمائی تھی جس کا اندازہ اگرچہ آپؐ کے حاضرین میں سے اکثریت نہ کر سکی تھی لیکن بعد میں آنے والی قوموں میں غور اور فکر کرنے والے ہزاروں افراد نے ان عظیم الشان پیشگوئیوں کو اسلام کی صداقت کے حق میں ایک بیّن دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔

قرآن کریم اور آنحضور ﷺ نے آئندہ زمانہ میں واقع ہونے والے عوامل، تغیرات اور تبدیلئ حالات کی جہاں وضاحت کے ساتھ متعدد پیشگوئیاں فرمائیں وہاں مسلمانوں کو تحصیل علم کے لئے بار بار تلقین بھی فرمائی بلکہ علم کا حصول ہر مسلمان (مرد و عورت) کے لئے فرض قرار دیا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ دینی علم کے ساتھ ساتھ دنیاوی علم بھی اگر آج حقیقی مسلمانوں کے پاس ہوتا تو غالباً یہ توقع کی جاسکتی تھی کہ اس مادی علم کو انسان اپنی تباہی اور بربادی کے دروازے کھولنے کے لئے استعمال نہ کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے بہترین رنگ میں لطف اندوز ہونے کے لئے اسے انسانی بہبود کے لئے استعمال کیا جاتا۔ تاہم بدقسمتی یہ ہوئی کہ طلوع اسلام سے محض چند صدیوں کے بعد ہی علم کی روشنی مسلم دنیا سے ہجرت کر کے غیرقوموں کے ہاں منتقل ہوگئی اور تاریخ سے یہ بات چھپائے نہیں چھپتی کہ جب تک مسلمانوں کے پاس علم کی دولت موجود رہی، دنیا کی دیگر اقوام ان کے سامنے سرنگوں رہیں اور مسلمانوں نے اپنے علم کا نور نہ صرف اسلامی علاقوں میں پھیلایا بلکہ دنیا بھر کے معلوم خطوں کو بھی اس سے روشن کیا۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اُس زمانہ میں تحصیل علم کے لئے قائم کئے جانے والے قریباً تمام مراکز کا تعلق اسلامی دنیا سے ہی تھا اور ان مراکز کو اسلامی ریاستوں کی عملاً سرپرستی حاصل تھی چنانچہ علم کی روشنی کو دُور دُور تک پھیلانے کے لئے ان مراکز میں مقیم اساتذہ کے علاوہ دور و نزدیک سے آنے والے طلبہ کو بھی ہر ممکن سہولت دی جاتی تھی۔ مسلم بادشاہوں کے دربار میں علماء کی قدر و منزلت کا یہ عالم تھا کہ بعض علماء کو زر و جواہر اور سونے چاندی میں تولا گیا اور قیمتی خلعتیں اور جاگیریں عطا کی گئیں۔ لیکن جب اسلامی ریاستیں متفرق وجوہات کی بناء پر کمزوری کا شکار ہوئیں تو ہلاکوخان جیسے ڈاکوؤں نے اسلامی مراکز کی ظاہری دولت لُوٹنے کے ساتھ ساتھ یہاں کی حقیقی دولت کے خزانے (لائبریریاں) نذرآتش کر دیئے اور علماء کے سرقلم کر دیئے تو علم کی روشنی بھی اسلامی دنیا سے معدوم ہونے لگی۔ جب علم جیسی قیمتی متاع مسلمانوں کے پاس نہ رہی تو اس کا منطقی نتیجہ یہی نکل سکتا تھا کہ آہستہ آہستہ تمام دنیاوی طاقت بھی وہیں منتقل ہوجائے جہاں علم کا چراغ روشن ہوچکا تھا۔ چنانچہ ایک طرف تاریکی میں ڈوبے ہوئے خطے (یورپ وغیرہ) علم کے نُور سے منور ہونے لگے تو دوسری طرف مسلمانوں کی حالت جہالت کی پستی میں گرتے گرتے یہ ہوگئی کہ ان کے علماء کہلانے والوں میں سے اکثر کے اخلاقی کردار، قوت عمل اور روحانی اقدار کی کوئی ضمانت نہیں دی جاسکتی تھی۔

صدیوں کی کسمپرسی کے بعد بھی جب اسلامی دنیا کے کسی بھی خطہ میں حقیقی علم کی شمع روشن نہ ہوئی اور مسلمان باہم فروعی اختلافات کا شکار ہوتے چلے گئے تو یہی وہ زمانہ تھا جب مختلف انبیاء کی پیشگوئیوں کے عین مطابق بنی نوع انسان کو ملّت واحدہ بنانے کے لئے اور اسلام اور مسلمانوں کی ناگفتہ بہ حالت کو درست کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے مسیح محمدی کو مبعوث فرمایا تاکہ مسلمانوں کو ایک بار پھر روشنی کے اُس سفید مینار سے ایسا علم عطا کیا جائے جو غیروں کے منہ بند کرنے کی اہلیت رکھتا ہو اور اسلام پر کئے جانے والے تمام اعتراضات کا مسکت و مدلّل جواب دینے پر قادر ہو۔ مسلمانوں کی بدقسمتی ہے کہ جس وجود کے انتظار میں وہ اپنی نظریں صدیوں سے آسمان پر لگائے بیٹھے تھے، جب وہ آیا تو اِن میں سے اکثر کی بینائی اُس کی نورانیت کی تاب نہ لاکر شعور کھو بیٹھی اور جن روحانی علوم و معارف سے اُس نے پردہ اٹھایا، اُن کو سمجھنے کے لئے یہ آمادہ نہ ہوئے۔ چنانچہ کئی سو سال سے مدفون

روحانی خزائن کو بانٹنے کے لئے جب اُسے علوم سے لبریز معجزات پر اللہ تعالیٰ کے فضل سے ید بیضاء عطا کیا گیا تو اُس کے بار بار آواز دینے پر بھی مسلمانوں کی اکثریت نے بیداری کی انگڑائی نہ لی۔ بدقسمتی سے اب بھی مسلمانوں کی اکثریت جہالت کا شکار ہے۔ پس آج عالم اسلام کی غیروں کے مقابل پر بے بسی کی کیفیت دیکھ کر اُس تڑپ کا اندازہ کیا جاسکتا ہے جس کا اظہار اُن احادیث میں ہوتا ہے جن میں علم کی فضیلت بیان کرتے ہوئے ہر مسلمان مرد اور عورت کے لئے اس کا حصول فرض قرار دیا گیا ہے۔

اس دَور میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپؑ کے جلیل القدر خلفاء نے آسمانی روشنی کی مدد سے اسلام کے ہر حکم کی روح کو سمجھتے ہوئے اس پر عمل کرنے کی مساعی کے لئے اپنے آپ کو وقف کئے رکھا ہے۔ چنانچہ نہ صرف زبانی طور پر دینی و دنیاوی علوم کے حصول کے سلسلہ میں آپ گرانقدر نصائح فرماتے رہے ہیں بلکہ عملاً بھی انفرادی اور اجتماعی طور پر تحصیل علم کے لئے ہر ممکن جدوجہد فرماتے رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جماعت احمدیہ میں ایک طرف تو روحانی علوم کی ترویج واشاعت کے لئے نئی ایجادات سے بھرپور فائدہ اٹھایا جارہا ہے۔ اور دوسری طرف تعلیمی اداروں کا ایک کامیاب سلسلہ جاری ہے جس کے نتیجہ میں احمدیت کے سائے تلے اب تک ہزاروں افراد بنیادی اور اعلیٰ تعلیم حاصل کرچکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی جماعت احمدیہ کی اس عاجزانہ مساعی کو شرف قبولیت سے یوں نوازا ہے کہ علمی ترقیات کی دنیاوی انتہاء کا سلسلہ جہاں ایک طرف حضرت چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ اور محترم ڈاکٹر عبدالسلام صاحب جیسے علمی لحاظ سے بلند مرتبہ افراد سے منسلک نظر آتا ہے، وہاں تیسری دنیا کے افریقی اور ایشیائی ممالک میں احمدیہ سکولوں اور کالجوں سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد بھی بلاشبہ لاکھوں میں پہنچ چکی ہے۔ اور ان ممالک میں قومی خدمات بجالانے والوں میں ان اداروں سے تعلیم یافتہ افراد کی بہت بڑی تعداد میدان عمل میں سرگرم ہے۔

علم کیا ہے؟

علم کے معانی آگاہ ہونے یا جاننے کے ہیں اور اس کا متضاد جہالت ہے۔ تعلیم، علم سے مشتق ہے۔ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ علم ہی وہ وجہ امتیاز ہے کہ جس سے انسان مسجودِ ملائک ٹھہرا اور ساری کائنات اس کے لئے مطیع اور مسخر ہوکر رہ گئی۔ دنیا میں علم کی طاقت کا اندازہ لگانے کے لئے کسی بھی زمانہ کی تاریخ پر نظر دوڑائیں تو معلوم ہوگا کہ دنیا میں حکومت عملاً اُسی قوم کی رہی ہے جس کے پاس علم کی روشنی موجود تھی۔

علم کی اقسام

دنیا میں بے شمار علوم ہیں تاہم بنیادی طور پر انہیں دو اقسام میں بیان کیا جاتا ہے۔ حدیثِ مبارک ہے: "اَلْعِلْمُ عِلْمَانِ، عِلْمُ الْاَدْیَانِ وَعِلْمُ الْاَبْدَانِ"۔ یعنی علم حقیقت میں دو ہیں، دین کا علم اور ابدان (جسموں) کا علم۔

یہاں یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ عِلْمُ الْاَبْدَان سے مراد صرف "علم الطّب"، یعنی میڈیکل سائنس کا علم ہی نہیں ہے۔ چنانچہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس حدیث کی تشریح میں فرمایا تھا کہ یہاں ابدان کا مطلب صرف میڈیکل سائنس کرنا حدیث کے نفس مضمون سے زیادتی ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر وہ علم جو کسی بھی بدن سے تعلق رکھتا ہو یعنی خواہ وہ بدن آسمان کی وسعتوں میں ہو خواہ زمین کی اتھاہ گہرائیوں میں، جو چیز بھی بدن رکھتی ہے اُس کا علم عِلْمُ الْاَبْدَان کہلائے گا۔

پس اس امر میں کوئی شک نہیں ہونا چاہئے کہ عِلْمُ الْاَبْدَان سے مراد تمام ایسی اشیاء کا علم ہے جو بدن رکھتی ہیں چنانچہ یہ علم انسان، حیوان، اشجار اور جمادات کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہے۔ اس تشریح کو سامنے رکھتے ہوئے جب آنحضور ﷺ کے اس قول کو دیکھیں تو ایک طرف آنحضور ﷺ کی روحانی بصیرت حکمت سے لبریز اور معارف کا ایک بحر بیکراں سموئے ہوئے نظر آتی ہے تو دوسری طرف آپؐ کے روحانی غلام حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کے اُس روحانی مقام اور فہم و ادراک کی بھی نشاندہی کرتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حقیقی علماء کو عطا کیا جاتا ہے۔

اسی طرح سورۃ النمل کی آیت ۴۱ کے حوالہ سے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس آیت میں "علم کتاب" سے مراد بائبل کا علم نہیں بلکہ سائنسی علم مراد ہے۔ چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا وہ سردار جس نے ملکہ سبا کے تخت کی نقل بنانے کا دعویٰ کیا تھا وہ دراصل سائنسی علوم کا بہت بڑا ماہر تھا اور اپنے علم کے زور سے مشکل سے مشکل چیز کی بھی نقل تیار کرسکتا تھا۔ ملکہ سبا کے تخت جیسا تخت بنانا بھی ایک بہت مشکل کام تھا مگر اُس نے دعویٰ کیا کہ مَیں یہ تخت بنادوں گا اس سے پہلے کہ تیرا نگہبان دستہ سرحدوں سے واپس تجھ تک پہنچے۔

حضرت امام الغزالیؒ نے بھی علم کو بنیادی طور پر دو اقسام میں تقسیم کیا ہے۔ آپ کے مطابق ایک علم محمود (جو فرضِ عین ہے) یعنی دینی علوم اور دوسرا وہ علم جو فرضِ کفایہ ہے یعنی مادی علوم۔

علم کی فضیلت اور قرآن کریم

قرآن کریم کی بے شمار آیات فکر اور تدبر کی افادیت بیان کرتی ہیں اور علم اور تحقیق کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہیں۔ بہت سی آیات میں اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو مخاطب کرتے ہوئے ایسے الفاظ استعمال فرمائے ہیں مثلاً تم کیوں تدبّر نہیں کرتے یا تم کیوں عقل سے کام نہیں لیتے، وغیرہ۔

علم کے حصول کے لئے اس کی اہمیت، شرف وفضیلت کو ذہن نشین کرنا بہت ضروری ہے۔ چنانچہ آقائے دوجہاں ﷺ پر جو پہلی وحی نازل ہوئی اس میں اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان پر اپنے ایک عظیم احسان کا ذکر فرمایا یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو قلم کے ذریعے علوم وفنون کی تعلیم دی:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ O خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ O اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ O الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ O عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ O

(سورۃ العلق: 2-6)

یعنی: "اپنے ربّ کا نام لے کر پڑھ جس نے سب اشیاء کو پیدا کیا۔ جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھ کہ تیرا ربّ بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ساتھ علم سکھایا۔ انسان کو وہ علم سکھایا جو وہ پہلے نہیں جانتا تھا"۔

ان آیاتِ کریمہ سے صرف یہی ثابت نہیں ہوتا کہ علم کی انسانی زندگی

(خصوصاً روحانی زندگی) میں کیا اہمیت ہے بلکہ یہ بھی نظر آتا ہے کہ آئندہ انسانی ترقیات کا دارومدار بھی قلم کے علم پر ہے۔ چنانچہ ''وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ'' (سورۃالتکویر:۱۱) کی پیشگوئی بھی اسی جانب اشارہ کررہی ہے۔

محترم ڈاکٹر عبدالسلام صاحب نے ''علم'' کے لفظ کی تشریح کرتے ہوئے اپنے ایک تفصیلی مضمون میں ثابت کیا ہے کہ: ''عربی زبان میں سائنس کے لئے بولا جانے والا لفظ 'علم' کے علاوہ کوئی دوسرا لفظ نہیں ہے''۔

(ماهنامه ریویو آف ریلیجنز دسمبر ۱۹۸۳ء، صفحه ۱۷)

اس حوالہ سے قرآن کریم کی یہ ابتدائی آیات اور دیگر ایسی ہی آیات جن میں علم یا علماء کی فضیلت کا ذکر کیا گیا ہے، سائنسی علم اور سائنسدانوں کی فضیلت پر بھی روشنی ڈالتی ہیں۔ دراصل ''عالم'' کے لفظ کو بھی محدود نہیں کرنا چاہئے۔ آج یہ لفظ صرف دینی علم حاصل کرنے والوں کے لئے مخصوص کردیا گیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہر علم میں سند کا درجہ رکھنے والا عالم ہے۔

☆ یوں تو تمام انسان خدا کے بندے ہیں اور خدا تعالیٰ کو پیارے بھی ہیں مگر قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ جو زیورِ علم سے آراستہ ہوتے ہیں وہ خدا کو زیادہ محبوب ہوتے ہیں چنانچہ فرمایا: ''قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِيْنَ لَايَعْلَمُونَ''۔ (سورۃالزمر:10)۔ یعنی (اے نبی) تُو پوچھ کہ کیا وہ لوگ جو علم رکھتے ہیں اور وہ جو علم نہیں رکھتے، کبھی برابر ہوسکتے ہیں؟''۔

☆ پھر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں انسان سے یہ وعدہ بھی فرمایا کہ دنیا میں جو انسان نورِ ایمان سے منور ہوکر اپنی فکری اور علمی قوتوں سے کام لے گا، اُسے دنیوی ترقی اور اُخروی کامیابی سے ہمکنار کیا جائے گا۔ چنانچہ فرمایا: ''يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ''۔ (سورۃالمجادلہ:12)۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے درجات بلند کرے گا جو تم میں سے ایمان لائے ہیں اور خصوصاً ان کے جن کو علم عطا کیا گیا ہے۔

☆ ہمارا مشاہدہ ہے کہ عظمتِ باری تعالیٰ کا حقیقی علم ہوئے بغیر حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی بھی ایک مشکل امر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کو اپنے ہر عمل میں مقدم رکھنے والے ہی انجام کار کامیابی سے ہمکنار ہوتے ہیں اور یہ علم ہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے حسن و احسان سے آشنا کر کے حقیقی خوفِ خدا دلوں میں پیدا کرتا ہے جسے تقویٰ کہتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا: ''اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا''۔ (سورۃالفاطر:29)۔ یعنی یقیناً اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے اُس سے صرف وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔

☆ دوسری طرف دین کی طرف راہنمائی کرنے والی تعلیم میں بھی عقل سے کام نہ لینے والے انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے جانوروں سے بھی کمتر بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ سورۃالاعراف:180 میں ارشاد ہوتا ہے: ...... لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۖ اُوْلٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۖ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ یعنی ان کے دل ایسے ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں اور ان کی آنکھیں ایسی ہیں کہ جن سے وہ دیکھتے نہیں اور ان کے کان ایسے ہیں کہ جن سے وہ سنتے نہیں۔ یہ لوگ تو چوپاؤں کی طرح ہیں بلکہ یہ (ان سے بھی) زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں۔ یہی ہیں جو غافل لوگ ہیں۔

یہاں قرآن کریم سے محض چند مثالیں ہی بیان کی گئی ہیں لیکن بلاشبہ قرآن کریم نہ صرف اپنی ذات میں مختلف علوم کا ایک بحر ذخار ہے بلکہ مسلمانوں کو تمام علوم کی تحصیل کی ہر ممکن ترغیب بھی دیتا ہے۔ یہی قرآن ہے جس کے نُور کی روشنی میں آج حضرت اقدس امام الزمان مسیح موعودؑ کا علم کلام ایسے معارف وحقائق سے لبریز دکھائی دیتا ہے جو ایک عارف باللہ کی تحریر کے علاوہ کہیں دکھائی نہیں دے سکتے۔ آج کے زمانہ کی روحانی بیماریوں کا علاج بھی حضرت اقدس علیہ السلام کی تحریروں میں ہی ملتا ہے کیونکہ اس دَور کے انسان کے بیمار دل و دماغ کے لئے دستِ شفا بھی مامورِ زمانہ (علیہ السلام) کو ہی دیا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''آج یہ ذمہ داری ہم احمدیوں پر سب سے زیادہ ہے کہ علم کے حصول کی خاطر زیادہ سے زیادہ محنت کریں، زیادہ سے زیادہ کوشش کریں۔ کیونکہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی قرآن کریم کے علوم ومعارف دیئے گئے ہیں۔ اور آپؑ کے ماننے والوں کے بارہ میں بھی اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ میں انہیں علم ومعرفت اور دلائل عطا کروں گا۔ تو اس کے لئے کوشش اور علم حاصل کرنے کا شوق اور دعا کہ اے میرے اللہ! اے میرے ربّ! میرے علم کو بڑھا، بہت ضروری ہے۔ گھر بیٹھے یہ سب علوم ومعارف نہیں مل جائیں گے۔ اور پھر اس کے لئے کوئی عمر کی شرط بھی نہیں ہے۔ تو سب سے پہلے تو قرآن کریم کا علم حاصل کرنے کے لئے، دینی علم حاصل کرنے کے لئے ہمیں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو بے بہا خزانے مہیا فرمائے ہیں ان کو دیکھنا ہوگا۔ ان کی طرف رجوع کریں، ان کو پڑھیں کیونکہ آپؑ نے ہمیں ہماری سوچوں کے لئے راستے دکھا دیئے ہیں۔ ان پر چل کر ہم دینی علم میں اور قرآن کے علم میں ترقی کر سکتے ہیں اور پھر اسی قرآنی علم سے دنیاوی علم اور تحقیق کے بھی راستے کھل جاتے ہیں۔

اس لئے جماعت کے اندر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب پڑھنے کا شوق اور اس سے فائدہ اٹھانے کا شوق نوجوانوں میں بھی اپنی دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ ہونا چاہئے۔ بلکہ جو تحقیق کرنے والے ہیں، بہت سارے طالب علم مختلف موضوعات پر ریسرچ کر رہے ہوتے ہیں، وہ جب اپنے دنیاوی علم کو اس دینی علم اور قرآن کریم کے علم کے ساتھ ملائیں گے تو نئے راستے بھی متعین ہوں گے، ان کو مختلف نہج پر کام کرنے کے مواقع بھی میسر آئیں گے جو اُن کے دنیادار پروفیسر ان کو شاید نہ سکھا سکیں۔''

(خطبه جمعه فرموده ۱۸/جون ۲۰۰۴ء)

قرآن کریم میں بعض علوم کی طرف خاص طور پر توجہ کرنے کا ارشاد ہے۔ ان علوم میں فلکیات وارضیات کے علاوہ مروّجہ زبانوں، مختلف موسموں، پہاڑوں کے مختلف رنگوں، انسانی جسم کی مختلف رنگتوں نیز جانوروں وغیرہ کے حوالہ سے بھی ذکر

کیا گیا ہے کہ ان کو سامنے رکھتے ہوئے غور کرو۔ امر واقعہ یہی ہے کہ انسان کسی بھی راستہ پر غور و فکر کرتا ہوا چلنے لگے، اگر سچائی، صبر اور استقامت کے ساتھ صراط مستقیم پر چلنے کی کوشش چلا جائے گا تو یقیناً اپنے اور کائنات کے خالق کی ایسی صفات اُس پر جلوہ گر ہوں گی جو اُس کے تمام حواس کے ذریعہ اُسے طمانیت قلب کی دولت سے مالا مال کر دیں گی اور روحانی ترقیات بھی اُس کے مقدر میں لکھ دی جائیں گی۔

علم کی فضیلت اور احادیث مبارکہ

بعثت کے بعد آنحضور ﷺ کی ساری زندگی اُس حقیقی علم کی ترویج و اشاعت میں بسر ہوئی جو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے قلبِ صافی پر نازل فرمایا تھا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس علم حقیقی کو بیان کرنے کی ذمہ داری بھی آپؐ کے سپرد کی گئی تھی جسے آپؐ نے نہایت احسن رنگ میں کماحقہٗ ادا فرمایا اور اس مقصد کے لئے کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں فرمایا۔

قرآن کریم کے علاوہ آنحضور ﷺ کی احادیث اور سنت مبارکہ میں بھی علم کی فضیلت کو نہایت احسن رنگ میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کی چند مثالیں درج کی جاتی ہیں۔

☆ آنحضرت ﷺ نے ہر مسلمان مرد اور عورت پر تحصیل علم کو فرض قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا: "طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَةٍ"۔

☆ اسی طرح آنحضور ﷺ فضیلتِ علم کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "جو شخص علم سیکھتا ہے وہ علم اس کے پہلے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے"۔

(ترمذی، ابواب العلم، باب فضل طلب العلم)

☆ حضرت معاذ بن جبلؓ نے آنحضور ﷺ سے علم کے بارے میں ایک مفصّل حدیث نقل کی ہے جس سے علم کی اہمیت و افادیت پر تفصیل سے روشنی پڑتی ہے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا: "علم حاصل کرو۔ اللہ کے لئے علم حاصل کرنا نیکی ہے۔ علم کی طلب عبادت ہے۔ اس میں مصروف رہنا تسبیح اور (علمی موضوعات پر) گفتگو کرنا جہاد ہے۔ علم سکھاؤ تو صدقہ ہے۔ علم تنہائی کا ساتھی ہے، فراخی اور تنگدستی میں راہنما، غمخوار دوست اور بہترین ہمنشیں ہے۔ علم جنت کا راستہ بتاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ علم ہی کے ذریعے قوموں کو سربلندی عطا فرماتا ہے۔ لوگ علماء کے نقشِ قدم پر چلتے ہیں۔ دنیا کی ہر چیز ان کے لئے دعائے مغفرت کرتی ہے کیونکہ علم دلوں کی زندگی ہے اور اندھوں کے لئے بینائی۔ علم جسم کی توانائی اور قوت ہے۔ علم کے ذریعہ انسان فرشتوں کے اعلیٰ درجات تک پہنچتا ہے۔ علم میں غور و خوض کرنا روزے کے برابر ہے اور اس میں مشغول رہنا نماز کے برابر ہے۔ علم ہی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی صحیح اطاعت اور عبادت کی جاتی ہے۔ علم سے ہی انسان معرفتِ خداوندی حاصل کر سکتا ہے۔ اس کی بدولت انسان اللہ اور اس کے بندوں کے حقوق ادا کرتا ہے۔ علم ایک پیشرو اور راہبر ہے اور عمل اس کا تابع ہے۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو علم حاصل کرتے ہیں اور بدقسمت اس سعادت سے محروم رہتے ہیں۔"

☆ ایک اور حدیث پاک سے علم کے لئے مشقت اٹھانے کی فضیلت سامنے آتی ہے۔ فرمایا: "اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ كَانَ بِالصِّيْنِ"۔ یعنی علم حاصل کرو خواہ تمہیں چین جانا پڑے۔

اس حدیث پر غور کرتے ہوئے پندرہ سو سال پہلے کے حالات اور ارضِ حجاز سے چین جانے کیلئے طویل سفر کا اندازہ کیا جائے تو علم کی اہمیت بھی عیاں ہو جائے گی اور آنحضور ﷺ کی اس دلی تڑپ کو بھی محسوس کیا جا سکتا ہے جو امت مسلمہ کے حوالہ سے تحصیل علم کے لئے آپؐ کے قلب صافی میں موجزن تھی۔ محترم ڈاکٹر عبدالسلام صاحب لکھتے ہیں: "اس حدیث کی پیشگوئی آج پوری ہو رہی ہے جب چین علم اور ٹیکنالوجی کے میدان میں صفِ اول کے ممالک میں سے ایک ہے"۔

(ماہنامہ ریویو آف ریلیجنز دسمبر ۱۹۸۳ء)

☆ حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ آنحضور ﷺ نے عالم کی فضیلت یوں بیان فرمائی: "عالم کی فضیلت، عابد پر ایسی ہے گویا میری فضیلت تم میں سے ایک عام مسلمان پر"۔ (ریاض الصالحین۔ صفحہ ۲۰۰)

☆ پھر علماء کی روحانی فضیلت اس حدیث مبارکہ سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ: "اِنَّمَا الْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ" یعنی یقیناً علماء ہی انبیاء کے وارث ہوتے ہیں۔

☆ انصار چونکہ اپنی عمر کے لحاظ سے ایسے درجہ میں ہوتے ہیں جہاں شاید بعض کو یہ خیال گزرے کہ اب علم کے حصول کا زمانہ گزر چکا ہے۔ لیکن ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ تحصیلِ علم کے لئے عمر کی کوئی قید نہیں ہے۔ فرمانِ رسول اللہ ﷺ ہے: "اُطْلُبُوا الْعِلْمَ مِنَ الْمَهْدِ اِلَى اللَّحْدِ" یعنی بچپن سے قبر تک علم حاصل کرو۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"دنیا میں عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ بچپن سیکھنے کا زمانہ ہوتا ہے، جوانی عمل کا زمانہ ہوتا ہے اور بڑھاپا عقل کا زمانہ ہوتا ہے۔ لیکن قرآن کریم کی رو سے ایک حقیقی مومن ان ساری چیزوں کو اپنے اندر جمع کر لیتا ہے۔ اس کا بڑھاپا اسے قوت عمل، اور علم کی تحصیل سے محروم نہیں کرتا۔ اس کی جوانی اس کی سوچ کو ناکارہ نہیں کر دیتی بلکہ جس طرح بچپن میں جب وہ ذرا بھی بولنے کے قابل ہوتا ہے ہر بات کو سن کر اس پر فوراً جرح شروع کر دیتا ہے اور پوچھتا ہے کہ فلاں بات کیوں ہے اور کس لئے ہے اور اس میں علم سیکھنے کی خواہش انتہا درجہ کی موجود ہوتی ہے۔ اسی طرح اس کا بڑھاپا بھی علوم سیکھنے میں لگا رہتا ہے۔ اور وہ کبھی بھی اپنے آپ کو علم کی تحصیل سے مستغنی نہیں سمجھتا۔ اس کی موٹی مثال ہمیں رسول کریم ﷺ کی مقدس ذات میں ملتی ہے، آپ کو پچپن، چھپن سال کی عمر میں اللہ تعالیٰ الہاماً فرماتا ہے کہ ﴿قُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا﴾۔ یعنی اے محمد رسول اللہ ﷺ تیرے ساتھ ہمارا سلوک ایسا ہی ہے جیسے ماں کا اپنے بچے کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس لئے بڑی عمر میں جہاں دوسرے لوگ بیکار ہو جاتے ہیں اور زائد علوم اور معارف حاصل کرنے کی خواہش ان کے دلوں سے مٹ جاتی ہے اور ان کو یہ کہنے کی عادت ہو جاتی ہے کہ ایسا ہوا ہی کرتا ہے، تجھے ہماری ہدایت یہ ہے کہ ہمیشہ خدا تعالیٰ سے دعا کرتا رہ کہ خدایا میرا علم اور بڑھا، میرا علم اور بڑھا۔ پس مومن اپنی زندگی کے کسی مرحلے میں بھی علم سیکھنے سے غافل نہیں ہوتا۔ بلکہ اس میں وہ ایک لذت اور سرور محسوس کرتا ہے اس کے مقابل میں جب انسان پر ایسا دَور آ جاتا ہے جب وہ سمجھتا ہے میں نے جو کچھ سیکھنا تھا سیکھ لیا ہے اگر میں کسی امر کے متعلق سوال کروں گا تو لوگ کہیں گے کیسا جاہل ہے اسے ابھی تک فلاں بات کا بھی پتہ نہیں تو وہ علم حاصل کرنے سے محروم رہ جاتا ہے۔ دیکھو حضرت ابراہیم علیہ السلام بڑی عمر کے آدمی تھے مگر پھر بھی کہتے ہیں ﴿رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى﴾۔ ...... پس ہر عمر میں علم سیکھنے کی

صفحہ ۲۲ پر جاری ھے

حضرت ڈاکٹر سید عبدالستار شاہ صاحب رضی اللہ عنہ

(سردار احمد)

حضرت ڈاکٹر سید عبدالستار شاہ صاحبؓ اس مبارک خانوادہ کے سربراہ تھے جن کے بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا: ''ہم کو بھی ان پر رشک آتا ہے، یہ بہشتی کنبہ ہے''۔ ایک موقع پر حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ نے حضرت ڈاکٹر صاحب سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا: ''آپ نے اولاد کی خوب تربیت اور پرورش کی ہے جس سے ہم کو دیکھ کر رشک آتا ہے''۔

حضرت شاہ صاحبؓ 1862ء میں کلرسیداں تحصیل کہوٹہ ضلع راولپنڈی میں پیدا ہوئے۔ پانچ چھ سال کی عمر میں ہی شفقتِ پدری سے محروم ہو گئے تو آپ کے خاندان کے ایک کرم فرما دوست آپ کو لاہور لے آئے اور آپ کی تعلیم کا انتظام کر دیا۔ بچپن سے ہی آپ ذہین، جفاکش اور محنتی تھے۔ ڈاکٹری کا امتحان پاس کر کے بطور اسسٹنٹ سرجن رعیہ خدمتِ خلق میں ایسے مصروف ہوئے کہ تیس سال کا لمبا عرصہ (1890ء سے 1920ء) تک یہیں گزار دیا۔ آپ نے اپنے خلوص اور ایثار سے عوام وخواص کا دل موہ لیا اور جلد ہی علاقہ میں پیشہ وارانہ صلاحیتوں اور اخلاقِ کریمانہ کے باعث نہایت عزت واحترام کی نگاہوں سے دیکھے جانے لگے۔

آپؓ کے والد ماجد کا اسمِ گرامی سید باغ حسن تھا۔ صوفی منش اور خاندانِ سادات کی روائتی پارسائی و پاکبازی کا دامن سنبھالے ہوئے تھے۔ اپنے قریبی اعزاواقرباء کو دنیاداری میں ملوث دیکھ کر کلرسیداں کو خیرباد کہا اور سہالہ میں مستقل رہائش اختیار کر لی۔ سلطنتِ مغلیہ کی طرف سے کچھ علاقہ پر گزراوقات کے لئے حقوقِ مالکانہ حاصل تھے۔ آپ طبابت بھی کرتے تھے۔ ذرائع معاش اطمینان بخش تھے۔ پیری ومریدی سے آپ کو طبعی نفرت تھی اور اسے ذریعہ معاش بنانا پسند نہ کرتے تھے۔ رنجیت سنگھ کے دورِ حکومت میں کلرسیداں کے سادات نے سکھ حکومت سے موالات کر لی تھی۔ جس کے نتیجہ میں انہیں اسلامی اقدار کی ادائیگی کی حسبِ منشاء کی ضمانت مل گئی تھی۔ عہد وپیمان کے ایسے کھرے نکلے کہ سکھا شاہی کے زوال کے واضح آثار دیکھتے ہوئے بھی قرآنی حکم ان العھد کان عنداللہ مسئولا پر عمل کرتے ہوئے اپنے عہد کو نبھایا اور فرنگیوں کے مقابل سکھ حکومت کا ساتھ دیا۔ حقوقِ مالکانہ سے ہاتھ دھونا پڑا بلکہ عرصہ تک فرنگی حکومت کے عتاب کا نشانہ بنے رہے۔

شادی اور اولاد

حضرت شاہ صاحب کی شادی (حسبِ روایات خاندان سادات) صاحب عزت ووقار بھکری خاندان میں ہوئی۔ محترمہ سیدۃ النساء کے مورثِ اعلیٰ حضرت سید بدرالدین بھکریؒ تھے جن کا مزار اوچ شریف میں آج بھی مرجع خاص وعام ہے۔ رحمت الٰہی نے اس نجیب الطرفین جوڑے کو تین صاحبزادیوں اور پانچ صاحبزادوں سے نوازا۔ جن میں سے ہر ایک نے حسبِ استطاعت اپنے اپنے رنگ میں سلسلہ عالیہ احمدیہ کی خدمات کا حق ادا کر دیا۔

قرآن مجید سے عشق

حضرت شاہ صاحبؓ صبح کی نماز ادا کرنے کے بعد دیر تک قرآن مجید کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ آپ کا یہ تعامل آخر عمر تک قائم رہا۔ جب بینائی میں کمی ہوئی تو اپنے بچوں سے قرآن مجید سنا کرتے تھے۔ قرآن مجید حفظ کرنا بہت بڑی سعادتِ دارین ہے جسے اللہ تعالیٰ توفیق عطا کرے۔ برِّعظیم ہند میں عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ مسلم والدین اپنی اولاد میں سے اندھے اور معذور بچوں کو حفظ قرآن پر لگا دیتے ہیں۔ مگر حضرت شاہ صاحبؓ کے ہاں معاملہ اس سے برعکس ہے۔ آپ کے پانچ صاحبزادوں میں سے تین حافظ قرآن مجید تھے اور تینوں دنیاوی اعلیٰ تعلیم سے بھی آراستہ تھے اور حکومت وقت کے معزز عہدوں پر فائز ہو کر ملک اور قوم کی خدمت کا حق ادا کر رہے تھے۔

حضرت شاہ صاحبؓ کا حلیہ مبارک

گداز جسم درمیانہ قد۔ چوڑی پیشانی، زہد واتقاء کے نور سے منور وجیہ چہرہ جس پر آپ کی خاندانی شرافت ونجابت کے گہرے نقوش ہر دیکھنے والے پر اثر انداز ہوتے تھے۔ ہمیشہ سفید شلوار وقمیص زیب تن کرتے۔ سفید عمامہ پہن کر گھر سے باہر قدم رکھتے۔ نہایت منکسر المزاج تھے۔ یتیموں اور بے سہارا احباب کے سرپرست، خلوص اور محبت کے شہریار تھے۔ حلقہ احباب کی غالب اکثریت نیک دل نیک خصلت اور نیک خو غرباء پر مشتمل تھی۔

قبولیت احمدیت

مسلمانانِ ہند کا پانچ صد سالہ دورِ حکومت ختم ہو چکا تھا۔ 1857ء میں آزادی وطن وبحالی حکومت کی کوشش خاک میں مل چکی تھی۔ اس زبوں حالی میں امید کی اگر کوئی کرن نظر آ رہی تھی تو وہ مسیح ومہدی کی آمد تھی۔ آنحضور ﷺ کی بیان کردہ علامات ظہور مسیح موعود پوری ہوتی دیکھ کر مسلمان آسمان کی طرف ٹکٹکی لگائے دیکھ رہے تھے۔ جہاں چند مسلمان جمع ہوتے وہاں آمد مسیح کا ذکر چھڑ جاتا تھا۔ حضرت شاہ صاحبؓ کے احباب بھی انہی امیدوں پر جی رہے تھے۔ آپ کی مجالس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ اور قیام جماعت کا ذکر بھی ہوتا تھا۔ مگر منفی انداز میں مخالفین کے اعتراضات بھی ہوتے تھے۔ حضرت شاہ صاحب تلاش حق کے لئے ایک حساس دل رکھتے تھے۔ آپ سوچتے تھے کہ علاماتِ ظہورِ مسیح ظاہر ہو رہی ہیں۔ کسوف خسوف ہو چکا ہے اور میدان میں صرف ایک شخص ہے جو یہ اعلان کر رہا ہے کہ میں ہوں جو ان علامات کا حامل ہوں۔ مجھے خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کی اصلاح کے لئے مسیح موعود بنایا ہے اور یہ دعویدار میرے گھر سے دور بھی نہیں۔ کیوں نہ میں خود ان کی خدمت میں حاضری دے کر حقیقتِ حال سے آگاہی حاصل کروں۔ یہی سوچ دن رات آپ کے حساس دل کو پریشان کر رہی تھی کہ ایک دن اچانک اہل خانہ اور احباب کو اطلاع دیئے بغیر آپ قادیان پہنچ گئے۔ بنظر غائر حالات کا مطالعہ کیا، قبول حق کے لئے دل مطمئن تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں حاضر ہوئے اور بیعت کی درخواست کی۔ یہ

1901ء کا ذکر ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام عموماً بیعت قبول فرماتے ہوئے تکمیل ایمان اور تثبیت قدم کے لئے قادیان میں زیادہ دیر قیام کرنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؓ نے عرض کی حضور دل تو اب یہی چاہتا ہے کہ قادیان ہی میں قیام کیا جائے مگر سلسلۂ حصول رزق و ملازمت سدِ راہ ہے۔ حضرت شاہ صاحبؓ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ بات پلّے باندھ لی اور ریٹائرمنٹ کا وقت آنے پر حکومت وقت کی طرف سے توسیع ملازمت کی درخواست مسترد کردی اور قادیان میں مستقل رہائش اختیار کرلی۔ خدمت خلق کے لئے قادیان کے نور ہسپتال میں آنریری طور پر لمبا عرصہ خدمت سرانجام دیتے رہے۔

بیعت کے بعد قادیان سے واپس رعیہ آئے اور اپنی اہلیہ محترمہ کو تمام حالات سے آگاہ کیا۔ انہیں یہ فکر لاحق تھی کہ جس بزرگ کے ہاتھ پر ہم پہلے سے بیعت ہیں اس کا کیا ہوگا؟ ابھی کچھ فیصلہ نہ کر پائی تھیں کہ آپ شدید بیمار ہوگئیں، اتنی شدید کہ ڈاکٹروں کے خیال میں زندگی کی کوئی رمق باقی نہ رہی تھی۔ گو حضرت ڈاکٹر صاحبؓ خود بفضلہٖ تعالیٰ صاحب مستجاب الدعوات تھے۔ تاہم آپ نے ایک خط دعائیہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں تحریر کیا اور اپنے ایک عزیز کو فوراً قادیان روانہ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کا کرنا یوں ہوا کہ اہلیہ محترمہ جلد کامل شفایاب ہوگئیں۔ اس اعجازی شفایابی کو انہوں نے الٰہی تقدیر یقین کرتے ہوئے کمال انکساری سے احمدیت میں شامل ہونے کی رضامندی کردی۔

حضرت شاہ صاحبؓ کا صبر وتحمل

حضرت شاہ صاحبؓ رعیہ کی ایک مسجد میں ادائیگی نماز کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اس زمانہ میں مساجد ابھی ایسے ملاؤں کے بے رحم ہاتھوں کا کھلونا نہیں بنی تھیں جن کا پیشہ فرقہ وارانہ نفرت ومغائرت کا درس دے کر جذبات ابھار کر نان ونفقہ کا حصول ہو۔ اسلامی تعلیم کے مطابق ان المساجد للہ فلا تدعوا مع اللہ احداً ۔ مساجد اللہ کا گھر تصور کی جاتی تھیں۔ وحدہ لاشریک کی عبادت کے لئے ان کے دروازے ہر مؤحد کے لئے کھلے تھے۔ ابھی اہل حدیث کی مسجد، وہابی مسجد، بریلوی مسجد وغیرہ کے بورڈ مساجد کے دروازوں پر آویزاں نہیں کئے گئے تھے۔ اس مسجد میں ایک سیماب صفت عرضی نویس محمد بخش بھی نماز کے لئے آیا کرتے تھے۔ ایک روز احمدیت کا ذکر خیر سن کر ان سے نہ رہا گیا اور مٹی کا بنا ہوا لوٹا حضرت شاہ صاحبؓ کے ماتھے پر دے مارا۔ چہرہ مبارک لہولہان ہوگیا اور کپڑے خون سے لت پت۔ شاہ صاحبؓ کچھ کہے بغیر ہسپتال واپس آئے، مرہم پٹی کی، لباس تبدیل کیا اور ادائیگی نماز کے لئے پھر مسجد تشریف لے آئے۔ ادھر وہ عرضی نویس عوام کی ملامت کا ہدف تو تھا ہی، وہ خود بھی اپنے دل میں یہ سوچ کر سخت پریشان تھا کہ حضرت ڈاکٹر صاحبؓ سرکاری ملازم ہیں اگر انہوں نے عدالتی چارہ جوئی کی تو اس کا کیا حشر ہوگا، اس کے روزگار کا کیا بنے گا۔ حضرت شاہ صاحبؓ نے خاندانی شرافت ونجابت کا ثبوت دیتے ہوئے بھری مسجد میں احباب کے روبرو محمد بخش سے صرف اتنا کہا: ''چوہدری صاحب اب تو آپ کا غصہ فرو ہوگیا ہوگا''۔ حضرت شاہ صاحبؓ کا یہ صبر وتحمل دیکھ کر یہ سنگدل موم کی طرح پگھل گیا اور آستانۂ احمدیت میں پناہ گزین ہونے کی التجا کرنے لگا۔ چوہدری محمد بخش صاحبؓ بعد میں نہ صرف مخلص احمدی بلکہ نہایت نڈر داعی الی اللہ ثابت ہوئے اور درجنوں گم گشتہ راہ کے لئے ہدایت کا موجب بنے۔

قادیان دارالامان میں حاضری

حضرت شاہ صاحبؓ سرکاری ملازم تھے۔ سال میں ایک ماہ کی رخصت کے حقدار تھے۔ آپ رخصت جمع کر کے تین سال میں تین ماہ کی رخصت لیتے اور خاندان کے تمام افراد کو ساتھ لے کر تین ماہ قادیان میں گزارتے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ کو اپنے مکان کے ایک حصہ میں ٹھہراتے تھے۔ آپ کے آرام و راحت کا ہر طرح خیال رکھتے۔ آپؓ کی اہلیہ محترمہ اور صاحبزادیاں حضرت ام المؤمنینؓ کے زیر سایہ تربیت حاصل کرتیں اور صاحبزادے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام، حضرت مولانا نورالدین صاحبؓ اور دیگر علماء وصلحاء کی صحبت میں دن رات بسر کرتے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؓ کی یہی وہ عاشقانہ ادائیں تھیں جنہیں مشاہدہ کرتے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ آپؓ کی اولاد پر رشک کیا کرتے تھے۔

سادات کی حالت پر افسوس اور نصیحت

ابتدائی طور پر خاندان سادات کی دو شاخیں تھیں حَسنی اور حسینی۔ دونوں شاخوں میں بڑے بڑے عالی ہمت، عالی حوصلہ، عالی دماغ پیدا ہوئے اور وہ حصول دولت وحکومت کے مخمصوں کو خیرباد کہہ کر اعلائے کلمۃ اللہ واحیائے دین اسلام کے لئے عالم اسلام کے مختلف حصوں میں پھیل گئے۔ حضرت شاہ صاحبؓ کا تعلق حسینی شاخ سے تھا۔ آپؓ کے آباؤاجداد بخارا سے ہجرت کر کے ہندوستان آئے تھے اور برصغیر کے مختلف حصوں میں پھیل گئے اور بخاری سید کہلائے۔ آپ کے دل میں خاندانِ سادات کی روحانی حالت سدھارنے اور انہیں امام وقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلاموں میں شامل کرنے کی تڑپ تھی۔ اپنی اولاد کو اس بارہ میں وصیت کرتے ہوئے آپؓ نے تحریر فرمایا: ''آجکل خاندانِ سادات مغضوب، ذلیل اور تباہ ہو چکے ہیں اگر یہ متقی ہوتے تو پھر مؤرثِ اعلیٰ آنحضرت ﷺ کی نعمت وراثت یعنی مہدویت اور مسیحیت کی وارث سلمان فارسیؓ کی اولاد کیسے بن جاتی۔ اب بھی وقت ہے کہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سچی مطابعت سے اپنے اجداد کا نام روشن کریں ...... اپنی قوم سادات کی اصلاح و بہبودی کے لئے خاص کر دردِ دل سے دعائیں مانگو اور ان کو خوب دعوت الی اللہ کرو ...... اب بھی اللہ تعالیٰ اس قوم کو ہدایت دیوے تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع اور غلامی میں اپنے مؤرث اعلیٰ کی نعمت سے مستفیض ہو سکتے ہیں ورنہ یہ محرومی قیامت تک ان کے گلے کا ہار ہوکر رہ جائے گی۔ العیاذ باللہ تعالیٰ، اناللہ وانا الیہ راجعون''

دربار الٰہی میں عرضداشت

حضرت شاہ صاحبؓ اپنی عرضداشت دربار الٰہی میں عاجزی وانکساری سے پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''میری دو عرضیں ہیں زیادہ نہیں اول۔ میری وفات اسلام پر ہو۔ دوم میرا الحاق اور ہمسائیگی بالصالحین یعنی انبیاء وشھداء و صالحین وغیرہ کے زمرہ میں میرا مکان ہو، توفنی مسلماً والحقنی بالصالحین''۔

نظامِ وصیت اور مالی تحریکات میں حصہ

حضرت شاہ صاحبؓ اور آپکی اہلیہ محترمہ جماعت کی مالی تحریکات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کرتے تھے۔ دورِ خلافت اولیٰ میں تعلیم الاسلام ہائی سکول کی شاندار عمارت کی تعمیر میں حصہ لیا۔ مسجد نور اور نور ہسپتال کی تعمیر میں حصہ دار ہوئے۔ تعمیر منارۃ المسیح، عید فنڈ اور قربانی فنڈ میں آپ حصہ دار ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپؓ کا معیار مالی قربانی اسلام کی مقرر کردہ حد کو چھور ہا تھا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ آپؓ نظام وصیت میں شامل ہوئے تو اپنی آمد و جائیداد کے 1/3 حصہ کی وصیت کی جس سے زائد کی وصیت کرنا اسلام میں جائز نہیں ہے۔ ہر شخص کی یہ فطری خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنی اولاد کے لئے زیادہ سے زیادہ ترکہ چھوڑ کر جائے مگر اس بہشتی جوڑے کی نگاہ میں بنیادی مال و متاع کی کوئی حقیقت نہ تھی۔

خاندان مسیح موعودؑ سے تعلق رشتہ

۱۹۰۷ء کے وسط میں حضرت شاہ صاحبؓ مع اہل وعیال دارالمسیح میں مقیم تھے کہ ایک دن آپ کی اہلیہ محترمہؓ نے بتایا کہ آج حضرت مسیح موعودؑ نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ آپ کے ساتھ ہمارے تین تعلق ہیں ایک تو آپ ہمارے مرید ہیں دوسرے آپ سادات کرام سے ہیں۔ تیسرا ہمارے ساتھ آپ کا ایک تعلق اور بھی ہے۔ یہ کہہ کر حضور علیہ السلام خاموش ہوگئے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب سنا تو فرمایا کہ کوئی روحانی تعلق ہوگا۔

۱۴ جون ۱۸۹۹ء کو حضرت مسیح موعودؑ کے گھر صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب پیدا ہوئے۔ آپکی پیدائش سے قبل حضور علیہ السلام کو ایک مہمان کے آنے کی بشارت دی گئی تھی۔ صاحبزادہ صاحب نے اپنا بچپن نہایت صحت مندانہ حالت میں گزارا۔ خاندان اور اصحاب احمدؑ صاحبزادہ صاحب کو مصلح موعود کی پیشگوئی میں تین کو چار کرنے والا گردانتے لگے تھے کہ اچانک وسط ۱۹۰۷ء میں آپؓ شدید بیمار ہوگئے۔ حضرت حکیم الامت مولانا نورالدینؓ معالج تھے۔ لاہور سے مشورہ کے لئے اور ڈاکٹر بھی بلائے گئے مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ شب و روز صاحبزادہ صاحب کی شفایابی کیلئے دعائیں ہو رہی تھیں کہ ایک صاحب نے خواب دیکھا کہ صاحبزادہ صاحب کی شادی ہو رہی ہے۔ معبرین کے نزدیک اس خواب میں موت کی طرف اشارہ تھا مگر بعض حکماء نے یہ بھی تحریر کیا ہے کہ اگر خواب ظاہری حالت میں پوری کر دی جائے تو تعبیر ٹل بھی جاتی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؓ کی چھوٹی صاحبزادی مریم النساء اڑھائی سال کی تھیں اور دارالمسیح میں ہی مقیم تھیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بعض احباب کے اصرار پر خواب کو ظاہری صورت میں پورا کرنے کے لئے اپنے منشاء کا اظہار شاہ صاحبؓ کی اہلیہ محترمہؓ سے کیا تو انہوں نے کہا کہ میں شاہ صاحب سے مشورہ کرلوں۔ حضرت شاہ صاحب تو پیکر صدق وصفا تھے، انہوں نے نہایت انکساری سے حضرت مسیح موعودؑ کے منشاء کو منشائے الٰہی یقین کرتے ہوئے قبول کیا۔ چنانچہ ۱۳ راگست ۱۹۰۷ء کو حضرت مولانا نورالدینؓ نے صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کا نکاح محترمہ مریم النساء صاحبہ سے پڑھایا۔ مگر خدا کی بات پوری ہوئی اور صاحبزادہ صاحب ۱۶ راگست بقضائے الٰہی اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے۔ اناللّٰہ و انا الیہ راجعون۔

بلانے والا ہے سب سے پیارا اسی پہ اے دل تو جاں فدا کر

قدرت الٰہیہ کا کرشمہ

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا ظہور جب عملی رنگ میں سامنے آتا ہے تو صاحب بصیرت کیلئے باعثِ ازدادِ ایمان بن جاتا ہے اور عدم بصیرت والوں کیلئے ٹھوکر کا موجب ثابت ہوتا ہے۔ خاندان سادات میں خاندان سے باہر شادی کرنا عموماً معیوب خیال کیا جاتا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؓ خود ڈاکٹر تھے، صاحبزادہ مرزا مبارک احمد کی علالت کی شدت کا اندازہ کر سکتے تھے۔ ایسے نازک وقت میں ننھی منھی بچی کے نکاح پر رضامندی کا اظہار آپؓ کے ایمان کا امتحان تھا مگر قدرت اسے ایسے رنگ میں پورا کرنا چاہتی تھی جو مشیتِ الٰہی میں قدیم سے مقرر تھا۔ صاحبزادہ صاحب کی وفات کے بعد حضرت مسیح موعودؑ کی خواہش تھی کہ عزیزہ ہمارے ہی خاندان کا حصہ رہیں۔ وقت آنے پر وہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے عقد میں آئیں۔ ایک طرف اَبناء الفارس کا نمائندہ وجود اور دوسری جانب سے حسنی خاندان کی چشم و چراغ کو ایک عقد میں جمع کر کے ایسے وجود کو معرضِ وجود میں لانا قدرت کا مقصود تھا جو اللہ تعالیٰ کے پیارے مسیح کی جماعت کی ایسے آڑے وقت میں رہنمائی کرے جبکہ جماعت احمدیہ پر غزوہ احزاب کی طرح دشمن چاروں طرف سے ڈیرہ ڈالے حملہ کا منتظر تھا۔ اذجاء کم من فوقکم ومن اسفلِ منکم واذ زاغتِ الابصار کا منظر جماعت کے سامنے تھا۔ ایسے نازک وقت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی رہنمائی فرمائی اور انہوں نے نہایت زیرکی اور عقلمندی سے جماعت کی ناؤ کو بھنور سے بحفاظت نکال لیا۔

سیدہ مریم بیگمؒ اُمّ طاہر کے نام سے پہچانی جاتی ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے عقد میں آنے کے بعد اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر لجنہ اماء اللہ کی ناقابل فراموش خدمات سرانجام دیں اور اپنے عمل سے لجنہ اماء اللہ کی ممبرات میں وہ حقیقی روح پھونک دی کہ وہ صحیح معنوں میں اُمۃ اللہ بنیں اور کبھی بھی اُمۃ الدنیا نہ بنیں۔

الہامات مسیح موعود میں ذکر

۲۸ رجنوری ۱۹۰۶ء کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو الہام ہوا'' ۲۵ رفروری کے بعد جانا ہوگا''۔ اس الہام کے بارہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں: ''مَیں جب ہوشیار پور گیا تو راستہ میں میرا ذہن اس الہام کی طرف منتقل ہوا ہم نے بڑی کوشش کی کہ کسی طرح جلدی (امّ طاہر کی شدید علالت پر) انہیں دوسرے ہسپتال میں منتقل کردیا جائے۔ میں نے کرایہ پر کوٹھی لینے کی بڑی کوشش کی مگر کسی دوسری جگہ منتقل ہونے کے سامان میسر نہ آسکے۔ آخر ۲۵ رفروری کو سر گنگارام ہسپتال میں ان کے داخلہ کا انتظام ہوا اور ۲۶ رفروری کو انہیں ہم وہاں لے گئے''۔ (تذکرہ صفحہ ۵۹۴۔۵۹۳)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ چالیس یوم تک امّ طاہرؓ کے مزار پر دعا کے لئے مع احباب بہشتی مقبرہ قادیان میں تشریف لے جاتے رہے۔

شرافت، نجابت اور اطاعت امر اللہ تعالیٰ کا علم بردار سید عبدالستار شاہؓ کا کنبہ (خواہ وہ مرد ہوں یا مستورات) اپنے اپنے رنگ میں جماعت کی خدمت میں علمی، مالی، جانی قربانیوں میں حصہ لیتا رہا ہے جس سے احمدیت کی تاریخ کے اوراق مزین ہیں۔ اس خاندان کے بعض افراد جو منھم من قضیٰ نحبہ کے زمرہ میں آتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کی مغفرت فرمائے اور جو منھم من ینتظر کے گروہ میں ہیں انہیں اپنے اباء اجداد کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

بقیہ از صفحہ ۱۴: حضرت مسیح موعودؑ کے صحابہؓ کی سیرت

کیا تھا کہ میں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا۔ (ملفوظات جلد ششم صفحہ 255 تا256)

حقیقت یہ ہے کہ ان جیسے سینکڑوں صحابہ تھے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو عطا ہوئے جن کی زندگیوں کا مقصد خدا تعالیٰ کی رضا کے سوا کچھ نہ تھا۔ وہ خدا کے عاشق اور مخلوقِ خدا کے ہمدرد تھے۔ عاجز اور منکسر المزاج لوگ تھے۔ یہ لوگ خدا کے حضور سجدہ ریز ہوتے تو سجدہ گاہیں آنسوؤں سے تر ہو جاتیں۔ خدا کے ذکر سے ان کی پلکیں تر اور ہونٹوں پر کپکی طاری رہتی تھی۔ یہ دنیا کے لئے تعویذ اور حفاظت کا ذریعہ تھے۔ اُن لوگوں کے نقشِ قدم پر ہم سب کو چلنا چاہئے۔ اللہ کرے ہم سب اُن جیسے پاک نفوس بن جائیں اور اُن جیسی انکساری اختیار کریں، اُن جیسی قربانی کی روح ہم بھی پیدا ہو، اُن جیسی اطاعت ہمارا شیوہ ہو اور اسلام کے لئے مال، جان اور عزت کی قربانی کے لئے ہردم تیار رہیں تا کہ حضرت مسیح موعودؑ کی یہ دعائیں ہمارے حق میں بھی پوری ہوں جو آپؑ نے اپنے صحابہ کے لئے کیں:

'' اے قادر خدا!..... ان کے دلوں میں تقویٰ کی سرسبز شاخیں جو اعمالِ صالحہ کے میووں سے لدی ہوئی ہیں پیدا کر۔ اِن کی کمزوریوں کو دور فرما اور ان کا سب کسل دور کر دے اور اُن کے دلوں میں اپنی عظمت قائم کر اور ان میں اور ان کے نفسوں میں دوری ڈال اور ایسا کر کہ وہ تجھ میں ہو کر بولیں اور تجھ میں ہو کر سنیں اور تجھ میں ہو کر دیکھیں اور تجھ میں ہو کر ہر ایک حرکت سکون کریں۔ ان سب کو ایک ایسا دل بخش جو تیری محبت کی طرف جھک جائے اور ان کو ایک ایسی معرفت عطا کر جو تیری طرف کھینچ لیوے۔ اے بارِ خدا یہ جماعت تیری جماعت ہے اس کو برکت بخش اور سچائی کی روح ان میں ڈال کہ سب تیری ہی قدرت ہے۔'' (ازالہ اوہام صفحہ 545)

بقیہ از صفحہ ۹: چودھویں صدی میں امام مہدی کا ظہور

کی گئی جو اپنے وقت پر پوری شان وشوکت کے ساتھ پوری ہوئی اور ایک دنیا کے دلوں کو نورِ ایمان سے منور کر گئی۔ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود و امام مہدی علیہ السلام ۱۲۵۰ ھجری قمری میں پیدا ہوئے اور اس طرح سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی زبانِ مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ لفظاً لفظاً پورے ہوئے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

خلاصۂ کلام یہ کہ قرآن مجید کی متعدد آیات اور آنحضرت ﷺ کی متعدد احادیث میں بڑی وضاحت کے ساتھ یہ مضمون ملتا ہے کہ مسیح موعود اور امام مہدی ایک ہی وجود کے دو نام ہیں اور اس کا ظہور چودھویں صدی میں مقدر ہے۔ ہم اس بات پر گواہ ہیں اور پورے وثوق سے اعلان کرتے ہیں کہ آیات و احادیث میں مذکور وقت کے عین مطابق چودھویں صدی ہجری کے سر پر اللہ تعالیٰ نے ان پیش خبریوں کو سچا کر دکھایا۔ مبارک اور سعادت مند ہیں وہ جو ان باتوں کو سمجھیں اور ان کو قبول کریں۔

سہ ماہی دوم (اپریل تا جون ۲۰۰۶ء) کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب ''نشان آسمانی'' مقرر کی گئی ہے اور آئندہ پرچہ کے سوالات اسی میں سے ہوں گے۔ انصار اس کتاب کو زیرِ مطالعہ رکھیں۔

بقیہ از صفحہ ۱۸: دورِ جدید میں تحصیل علم اور ایک احمدی کا فرض

تڑپ اپنے اندر پیدا کرنی چاہئے۔ اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے رہنا چاہئے کہ الٰہی میرا علم بڑھا۔ کیونکہ جب تک انسانی قلب میں علوم حاصل کرنے کی ہر وقت پیاس نہ ہو اس وقت تک وہ کبھی ترقی حاصل نہیں کر سکتا''۔

(تفسیر کبیر جلد نمبر ۵، صفحہ ۴۶۹ تا ۴۷۱)

☆ اسی طرح آنحضرت ﷺ نے علم سیکھنے کے بعد اس کو دوسروں تک پہنچانے کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''اچھا صدقہ یہ ہے کہ ایک مسلمان علم حاصل کرے پھر اپنے مسلمان بھائی کو سکھائے''۔

(سنن ابن ماجه كتاب الايمان. باب ثواب معلم الناس الخير)

اس حدیث کے حوالہ سے سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

'' یہ علم حاصل کرنے کی اہمیت ہے۔ اور پھر اس کو سکھانے کی کہ یہ ایک صدقہ ہے۔ اور صدقہ بھی ایسا ہے جو صدقہ جاریہ ہے کہ دوسروں کو علم سکھاؤ تو تمہاری طرف سے ایک جاری صدقہ شروع ہو جاتا ہے اسی لئے اساتذہ کی عزت کا بھی اتنا حکم ہے کہ اگر ایک لفظ بھی کسی سے سیکھو تو اس کی عزت کرو۔ استاد کا پیشہ بڑا معزز پیشہ ہے۔''

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۸ رجون ۲۰۰۴ء)

☆ اسلامی تعلیمات میں تحصیل علم کے آداب سکھانے کے ساتھ ساتھ علم کے نُور کی روشنی دوسروں تک پہنچانے والوں کی تکریم کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ اسی لئے آنحضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا: ''علم حاصل کرو، علم حاصل کرنے کے لئے وقار اور سکینت کو اپناؤ اور جس سے علم سیکھو اس کی تعظیم و تکریم اور ادب سے پیش آؤ''۔

(الترغيب و الترهيب جلد ۱، صفحه ۷۸، باب الترغيب في اكرام العلماء و اجلالهم و توقيرهم)

☆ ایک اَور حدیث میں (جو حضرت عثمانؓ بن عفان سے مروی ہے) علم قرآن کے خاص طور پر سیکھنے اور دوسروں کو اسے سکھانے کی اہمیت بیان کرتے ہوئے آنحضور ﷺ نے فرمایا: خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَ عَلَّمَہٗ یعنی تم میں سے بہترین وہ ہے جس نے قرآن کریم سیکھا اور پھر دوسروں کو سکھایا۔

☆ علم کی فضیلت کی بے شمار عملی مثالیں سنّت نبوی ﷺ سے بھی ثابت ہیں۔ چنانچہ جنگِ بدر کے مشرک قیدیوں کے لئے آپ ﷺ کا یہ تاریخی اعلان علم کی اہمیت کو خوب واضح کرتا ہے کہ جو قیدی بھی دس مسلمان بچوں کو پڑھنا لکھنا سکھا دے گا، وہ بغیر فدیہ لئے رہا کر دیا جائے گا۔

☆ اسی طرح ایک روایت میں آتا ہے کہ آنحضور ﷺ ایک بار مسجد میں تشریف لائے تو وہاں لوگوں کے دو حلقے بنے ہوئے تھے۔ ایک حلقہ میں تلاوت قرآن کریم اور دعاؤں پر زور دیا جا رہا تھا جبکہ دوسرا گروہ پڑھنے پڑھانے (یعنی درس و تدریس) میں مشغول تھا۔ آنحضرت ﷺ نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ ''دونوں گروہ ہی نیک کام میں مصروف ہیں ......لیکن مجھے خدا تعالیٰ نے معلم بنا کر بھیجا ہے''۔ چنانچہ آپؐ پڑھنے پڑھانے والوں میں جا کر بیٹھ گئے اور اس طرح اپنے عمل سے حصول علم کی فضیلت ثابت فرما دی۔

(سنن ابن ماجه. كتاب الايمان، باب فضل العلماء و الحث على طلب العلم)

(آئندہ شمارہ میں جاری ہے)

انصار ڈائجسٹ

محمود احمد ملک

اس کالم میں قارئین کی طرف سے موصول شدہ دلچسپ اور مفید تحریریں شامل اشاعت کی جاتی ھیں۔ قارئین خود لکھ کر یا اپنے زیر مطالعہ کسی کتاب یا رسالہ سے اخذ کرکے ھمیں کچھ بھی بھجواسکتے ھیں۔ تحریر مختصر اور باحوالہ ھونی چاھئے۔ ھمارا پتہ ھے:

Ansar Digest, 22 Deer Park Road, London SW19 3TL. e-mail: ansar_digest@yahoo.co.uk

تعلیم القرآن ہماری ذمہ داری ہے

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''انصاراللہ کو آج میں کہنا چاہتا ہوں کہ آپ اپنے طوعی اور رضا کارانہ چندوں میں ست ہو چکے ہیں (اللہ تعالیٰ آپ کو چست ہو جانے کی توفیق عطا کرے) لیکن مجھے اس کی اتنی فکر نہیں جتنی اس بات کی فکر ہے کہ آپ ان ذمہ داریوں کو ادا کریں جو تعلیم القرآن کے سلسلہ میں آپ پر عائد ہوتی ہیں۔

ایک ذمہ داری تو خود قرآن کریم سیکھنے کی ہے اور ایک ذمہ داری ان لوگوں کو قرآن کریم سکھانے کی آپ پر عائد ہوتی ہے کہ جن کے آپ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں اور محمد رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق راعی بنائے گئے ہیں۔ آپ ان دونوں ذمہ داریوں کو سمجھیں اور جلد تر ان کی طرف متوجہ ہوں۔ ہر رکن انصاراللہ کا یہ فرض ہے کہ وہ اس بات کی ذمہ داری اٹھائے کہ اس کے گھر میں اس کی بیوی اور بچے یا اور ایسے احمدی کہ جن کا خدا کی نگاہ میں وہ راعی ہے قرآن کریم پڑھتے ہیں اور قرآن کریم سیکھنے کا وہ حق ادا کرتے ہیں جو حق ادا ہونا چاہئے''۔

(خطبہ فرمودہ 4/ اپریل 1969ء)

البینو ہاتھی کی تلاش میں

سری لنکا کے ادارہ تحقیق و تحفظ کے سائنسدان ڈاکٹر فرنانڈو پریویراج نے جنگل کی سرحد پر حرکت کی نشاندہی کرنے والے کیمرے نصب کروائے اور پھر گوبر اور کچلی ہوئی گھاس کی جانب اشارہ کرتے ہوئے وہ اخباری نمائندوں کو بتانے لگے کہ ''ہم البینو ہاتھیوں کی فلم بنانا چاہتے ہیں۔ رات کو یہاں ہاتھیوں کے گروہ آتے ہیں۔ اور ایک گیارہ سالہ ہتھنی 'سوٗ' کو چھ سال میں پہلی بار یہاں دیکھا گیا ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ ایشیا میں موجود آخری جنگلی البینو ہتھنی ہے۔ عام طور پر جب آپ ایک البینو جانور کو دیکھتے ہیں تو آپ کے ذہن میں ایک سفید رنگ کے جانور کا خیال ابھرتا ہے۔ یہ ان کی کھال پر موجود بالوں کی بنا پر ہوتا ہے۔ کیونکہ ہاتھیوں کی کھال پر زیادہ بال نہیں ہوتے اس لئے آپ ان کی کھال دیکھ سکتے ہیں جو نہایت زرد رنگ کی ہوتی ہے۔ یہ یقینی طور پر ایک بہت کمیاب جینیاتی تبدیلی ہے۔ عام طور پر البینو کے جین پوشیدہ خاصیت کے حامل ہوتے ہیں۔ چنانچہ اگر ایک جانور یا انسان میں البینو کا ایک جین ہو تو جینیاتی تجزیہ سے اس کا پتہ لگانا ناممکن ہے''۔

البینو جانور صرف سائنسدانوں کی دلچسپی کا ہی مرکز نہیں بلکہ بدھ مذہب کے اساطیر میں بھی البینو ہاتھیوں کو اہم مقام حاصل ہے۔ ایک مقامی کسان کا کہنا ہے کہ ''سفید ہاتھی دیوتاؤں کی سواری ہے۔ وہ اس پر بیٹھ کر رتنا پورا زمانے میں سری لنکا آئے تھے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ سفید ہاتھی 12 سال میں ایک بار ہی نمودار ہوتے ہیں اور یہ ایک اچھا شگون ہوتا ہے۔''

بیضہ کی کامیاب پیوندکاری

سائنسدان کینسر کے نتیجے میں پیدا ہونے والے بانجھ پن سے بچاؤ کے لئے لمبے عرصہ سے کوششیں کرتے رہے ہیں۔ کچھ سائنسدانوں نے انڈوں کو منجمد کرنے کا طریقہ اختیار کیا جن کی بعد ازاں IVF کے ذریعے افزائش کر کے واپس بیضہ دانی میں رکھ دیا جاتا ہے۔ ایک اور طریقہ بیضہ دانی کی بافتوں (tissues) کو علاج سے پہلے منجمد حالت میں محفوظ کرنے کا ہے جنہیں علاج کے بعد متاثرہ بافتوں سے تبدیل کر دیا جاتا ہے۔ اس علاج کا سب سے کامیاب تجربہ ایک بتیس سالہ خاتون پر کیا گیا جب ۲۰۰۵ء میں اُس نے قدرتی طریقہ سے حاملہ ہونے کے بعد ایک بچی کو جنم دیا۔ اُس کی بیضہ دانی کی بافتوں کو سات سال پہلے کیموتھراپی سے قبل منجمد حالت میں محفوظ کر دیا گیا تھا۔

لیکن مذکورہ دونوں اقسام کی پیوندکاری میں اکثر خون کی کم فراہمی ناکامی کا باعث بنتی تھی۔ لیکن ''کینسر'' نامی رسالہ میں گزشتہ سال یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ لیڈن یونیورسٹی ہالینڈ میں ڈاکٹروں نے کینسر کی ایک مریضہ کے بیضے کو پیوندکاری کے ذریعہ اس کے بازو میں محفوظ کر دیا۔ اس طرح بیضہ کو مکمل حالت میں رکھا جائے گا اور اسے خون کی مسلسل فراہمی جاری رکھی جائے گی۔ اس عمل میں بیضے کے خون کے خلیات کو بازو کے خون فراہم کرنے والے خلیات سے جوڑ دیا جاتا ہے۔ ڈاکٹروں کو یقین ہے کہ اس نئے طریق یعنی بیضے کے بازو میں پیوندکاری سے کامیابی کی شرح میں خاطرخواہ اضافہ ہوگا۔ اس تکنیک کو ''اوورین آٹوٹرانسپلانٹیشن'' کا نام دیا گیا ہے اور اسے سب سے پہلے ایک ۲۹ سالہ مریضہ پر استعمال کیا گیا ہے۔

بظاہر ایسا لگتا ہے کہ یہ طریق علاج کینسر زدہ خواتین کے مسائل کا حقیقی حل ہے۔ لیکن یہ کیموتھراپی کروانے والی خواتین کے لئے مؤثر نہیں کیونکہ کیموتھراپی میں تمام جسم متاثر ہوتا ہے۔

رشوت سے فلسطین کا سودہ

۱۹۳۹ء کی ایک خفیہ دستاویز منظرعام پر آنے سے پتہ لگا ہے کہ اس وقت کے اسرائیلی رہنما ڈاکٹر وائزمین نے برطانوی وزیراعظم ونسٹن چرچل کو تجویز دی تھی کہ سعودی بادشاہ عبدالعزیز ابن سعود کو بیس ملین پاؤنڈ کی رشوت دے کر فلسطین کو یہودیوں کے لئے حاصل کر لیا جائے۔ بظاہر چرچل بھی اس منصوبہ میں ذاتی دلچسپی رکھتے تھے لیکن اُن کے وزیرخارجہ اینتھونی ایڈن نے اس منصوبے پر شدید ردعمل ظاہر کرتے ہوئے چرچل کو ایک خط میں لکھا کہ ایسا منصوبہ نہ صرف برطانوی پالیسی کے خلاف ہے بلکہ فلسطین پر 1939ء کا لندن وائٹ پیپر واضح طور پر فلسطین کو یہودی ریاست بنانے کے خلاف ہے۔ چنانچہ چرچل نے اپنے وزیر کا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لئے جواباً انہیں لکھا کہ انہوں نے اس

منصوبہ کے بارہ میں وائزمین سے صرف بات ہی کی تھی اوراس کا مقصد کچھ اَور نہیں تھا۔

وائزمین اس زمانہ میں یہودی ایجنسی کے سربراہ تھے جبکہ چرچل کو یہودیوں کی جدوجہد سے ہمدردی تھی اور وہ ۱۹۱۷ء کے بیلفر ڈیکلریشن کے بھی حمایتی تھے جس میں یہودیوں کے لئے قومی سطح پر گھروں کا قیام تجویز کیا گیا تھا۔لیکن سفارتی آداب کے ماہر اینتھونی، واشنگٹن سے ملنے والی ان اطلاعات پر ناراض ہوگئے کہ وائزمین نے امریکی صدر روزویلٹ کے ایک مشیر سے بات چیت کے دوران اس منصوبہ کو ''پرائم منسٹر پلان'' کہا ہے۔ چنانچہ انہوں نے چرچل کو لکھا: ''مجھے علم نہیں کہ ڈاکٹر وائزمین کو آپکی طرف سے بات کرنے کا اختیار کس حد تک ہے لیکن واشنگٹن میں جو غیر مبہم صورتِ حال پیدا ہورہی ہے، میں اس سے پریشان ہوں۔...... کیونکہ برطانیہ کی فلسطینی پالیسی پارلیمان میں پہلے ہی منظور ہوچکی ہے۔ اور ۱۹۳۹ء میں فلسطین پر جاری ہونے والے لندن وائٹ پیپر میں واضح طور پر درج تھا کہ فلسطین کو یہودی ریاست نہیں بننے دیا جائے گا''۔

جواباً چرچل نے ایڈن کو لکھا کہ وائزمین کو میری جانب سے بات کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ کچھ روز پہلے اس موضوع پر مَیں نے فلسطین پر اپنے خیالات کا ذکر کیا تھا جو خود آپ میری زبان سے بھی سن چکے ہیں۔ اگر سڑسٹھ سالہ بادشاہ کو رشوت دے کر اس بات پر مائل کر بھی لیا جائے کہ فلسطین کو یہودی لے لیں تو بھی اس بات کا امکان کم ہے کہ بادشاہ اس منصوبے کی تکمیل تک زندہ ہی رہے۔ اصل مسئلہ شاہ ابن سعود کی عمر ہے۔ اس معاملہ پر سب باتیں ابھی قبل از وقت ہیں اور ان پر بات چیت سے صرف اختلافات ہی پیدا ہوں گے۔

ڈارون کا نظریۂ ارتقاء ابھی زندہ ہے

سربیا کے وزیر تعلیم نے کچھ عرصہ قبل سکولوں میں انسانی ارتقاء سے متعلق چارلس ڈارون کی تھیوری پڑھانے پر پابندی عائد کردی تھی۔لیکن سائنسدانوں کی جانب سے شدید تنقید کے چند ماہ بعد ہی یہ پابندی نائب وزیر تعلیم کی طرف سے یہ کہہ کر اٹھا لی گئی کہ ڈارون کا نظریۂ ارتقاء ابھی زندہ ہے۔ تاہم یہ نظریہ الہامی کتاب توراۃ میں بیان شدہ پیدائش کے نظریہ حیات کے ساتھ پڑھایا جائے گا۔

سائنسدانوں نے اس امر پر شدید نکتہ چینی کی تھی کہ سربیا آہستہ آہستہ ایک مذہبی ریاست بنتا جا رہا ہے جہاں اکیسویں صدی میں الہامی کتابوں میں بیان کئے گئے اصولوں کو دوبارہ پڑھانے کی کوشش ہورہی ہے۔

پہاڑے یاد کرنے کا روایتی طریقہ

بعض ممالک کی پرائمری تعلیم میں پہاڑوں کے رٹنے کا عمل آج بھی بہت اہمیت رکھتا ہے۔ حال ہی میں یورپ میں ہونے والی ایک سائنس کانفرنس میں تحقیق پیش کی گئی ہے کہ جو بچے اپنے پہاڑے روایتی طریقے سے (یعنی رَٹ کر) یاد کرتے ہیں وہ اپنے سوال دوسروں کے مقابلہ میں جلدی اور صحیح حل کرتے ہیں۔

نوزائیدہ بچے اور چہروں کی پہچان

برطانیہ میں ہونے والی ایک تحقیق سے پتہ چلا ہے کہ نوزائیدہ بچے دلکش چہروں کی جانب قدرے زیادہ متوجہ ہوتے ہیں۔ تحقیق کے نتائج بیان کرتے ہوئے ایک ماہر نفسیات ڈاکٹر ایلن سلیٹر کا کہنا ہے کہ آپ بچوں کو متعدد چہرے دکھائیں لیکن نوزائیدہ بچے دلکش چہروں پر ہی متوجہ ہوتے ہیں جس کی وجہ بچوں میں انسانی چہرہ پہچاننے کی پیدائشی صلاحیت کا ہونا ہے۔ اسی صلاحیت کی وجہ سے وہ اپنی ماں کی شناخت بڑی جلدی کرتے ہیں اور پیدائش کے پندرہ گھنٹوں کے اندر ہی اپنی ماں کا چہرہ شناخت کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں بلکہ خواتین کے ہجوم میں بھی اپنی ماں کو پہچان سکتے ہیں۔

اس مطالعے میں شامل بچوں کی عمر عام طور پر دو دن تھی، جبکہ بعض کی عمر کچھ گھنٹے ہی تھی۔ اس مطالعہ کے دوران یہ بھی دیکھا گیا کہ نوزائیدہ بچوں میں موسیقی کی پرکھ کی صلاحیت بھی ہوتی ہے۔

زلزلہ اور آسمانی بادلوں کا تعلق

بنارس (بھارت) کے شکیل احمد نے آسمانی بادلوں کے ٹکڑوں میں تقسیم ہونے کے عمل کے ذریعے زلزلے کی پیش گوئی کرنے کا دعویٰ کیا ہے۔ وہ اپنی پیشگوئیاں حکومت ہند، اقوام متحدہ اور دیگر اداروں کو بھیجتے رہتے ہیں۔ بعض سائنسدانوں نے ان کی پیشگوئیوں پر سنجیدگی سے غور بھی کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''زلزلہ آنے کے بارہ میں ایک پروگرام ۱۹۸۲ء میں TV پر دیکھنے کے بعد سے مَیں اس پر غور کررہا تھا کہ ایک شام میں نے آسمان میں بھورے رنگ کے بادل کا ٹکڑا دیکھا جو پھٹ کر کئی ٹکڑوں میں بٹ گیا لیکن وہ ٹکڑے الگ نہیں تھے۔ میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ کہیں بادلوں کا اس طرح سے ٹوٹنا زلزلہ کی پیش گوئی تو نہیں؟ ابھی دو دن ہی بیتے تھے کہ میں نے زلزلے کی خبر سنی۔ اس کے بعد ۱۹۹۳ء تک میں بادلوں کے ٹکڑوں میں تقسیم ہونے کے عمل کا مطالعہ کرتا رہا اور میری پیش گوئی سچ ہونے لگی۔

پھر میں نے اپنی اس تھیوری کو سائنسدانوں سے منوانے کی کوشش میں بنارس ہندو یونیورسٹی میں جغرافیہ کے اساتذہ سے ملاقات کی اور انہوں نے مجھے مثبت سمت دکھائی۔ ۱۹۹۸ء میں بھارت کی انسانی وسائل کی وزارت نے مجھے چھ بڑے سائنسدانوں سے روبرو کرایا جنہوں نے مشورہ دیا کہ میں بنارس ہندو یونیورسٹی کے کسی سائنسدان کے تحت کام کروں اور مجھے ۴۵۰ برسوں کا زلزلے سے متعلق ڈیٹا مہیا کرایا گیا۔ بنارس کے ضلع مجسٹریٹ نے ۱۳ دسمبر ۲۰۰۳ء کو ایک حکم نامہ کے ذریعہ مجھے ضلع ڈزاسٹر مینجمنٹ کمیٹی کا ممبر بنادیا۔

زلزلے کیسے آتے ہیں؟ دراصل جونہی زمین میں ہلچل شروع ہوتی ہے اس کے اثر کا عکس سورج کے نیچے ایک تہ میں گھنی شکل اختیار کرلیتا ہے جو دیکھتے دیکھتے ہی بادلوں کا روپ لے لیتا ہے۔ یہ الگ الگ شکلوں میں خاص قسم کے بادل ہوتے ہیں جو زلزلہ کی پیشگوئی کرتے ہیں۔ جس مقام پر زلزلہ آنا ہوتا ہے اس مقام پر آسمان میں ایسے بادلوں کی موجودگی ضرور ہوتی ہے۔

زلزلے آنے کی بڑی وجہ یہ ہے کہ زمین کے اندر مختلف قسم کی لہریں کئی سطحوں میں پیدا ہوتی ہیں۔ یہ لہریں چاند کی ۱، ۲، ۷ تا ۹، ۱۲ تا ۱۴، ۲۷ تا ۳۰ تاریخوں میں پیدا ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ یہ چاند گرہن سے پانچ پہلے یا پانچ دن بعد کے درمیان بھی پیدا ہوتی ہیں۔ قدرت کی جانب سے زمین کے باشندوں کے لئے یہ لہریں ایک نعمت ہیں۔ اگر زلزلے نہ آتے تو نہ موسم بدلتا، نہ برفباری ہوتی، نہ بارش ہوتی، نہ سیلاب آتا، وغیرہ۔ جس طرح انسان کا دل ہمیشہ دھڑکتا رہتا ہے اور جسم کے انگوں کو خون پہنچاتا رہتا ہے، بالکل اسی طرح زمین میں آنیوالی یہ لہریں فطری نظام کے لئے ایک نعمت ہیں۔''